آسان اُصولِ فقہ

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

اسلام کے اُصولِ قانون اور قرآن و حدیث سے اخذ و استنباط کے طریقہ پر مختصر اور آسان تحریر جو دینی مدارس کے طلبہ اور فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے قانون دانوں اور اسکالرس کے لئے یکساں مفید ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

باہتمام

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

طبع جدید ۱۴۳۶ھ — ۲۰۱۴ء

کتاب : آسان اُصولِ فقہ

مصنف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

صفحات : ۱۰۰

کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : 9959897621 91+
(العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)

باہتمام
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ناشر
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر حیدرآباد۔
- کتب خانہ نعیمیہ، ضلع سہارنپور، دیوبند (یوپی)۔
- ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد۔

فہرست مضامین

احکامِ شرعیہ

استنباطِ احکام کے طریقے

احکام شریعت کے مقاصد و درجات

● ● ●

طبع جدید

کئی سال پہلے ''آسان اُصولِ فقہ'' کی طباعت عمل میں آئی تھی، مدارس میں اس حقیر رسالہ اور ''آسان اُصولِ حدیث'' کی جو پذیرائی ہوئی، وہ میری توقع سے کہیں زیادہ ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے، آندھرا پردیش کے طلبہ وطالبات کے اکثر مدارس میں یہ کتاب داخل نصاب ہوچکی ہے، وفاق المدارس بہار کے نصاب میں بھی یہ دونوں کتابیں شامل کرلی گئی ہیں، اس کے علاوہ کرناٹک، گجرات اور مدھیہ پردیش، نیز پڑوسی ممالک پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہیں۔

جن مدرسین نے اس کتاب کو پڑھایا ہے، ان میں سے بعض اہل ذوق سے میں نے خواہش کی تھی کہ اپنے تجربات کی روشنی میں اگر حذف واضافہ یا ترمیم کی ضرورت محسوس کریں تو اپنی رائے سے مطلع کریں، بعض حضرات نے اس سلسلہ میں اپنے مشورہ سے سرفراز فرمایا، اس کو سامنے رکھ کر نہایت معمولی نوعیت کی ترمیم کی گئی ہے، جو زیادہ تر تسہیل کے قبیل اور احکام کے حصہ میں احکامِ وضعیہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، نیز کوشش کی گئی ہے کہ قدیم نصابی کتابوں میں مذکور مثالوں کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے فقہی مسائل سے بھی بعض مثالوں کا اضافہ کردیا جائے؛ تاکہ طلبہ محسوس کریں کہ یہ اُصول صرف نظری نہیں ہے؛ بلکہ موجودہ دور سے بھی مربوط ہیں، عربی عبارتوں میں کتابت کی بعض اغلاط رہ گئی تھیں، قرآنی آیات پر اعراب نہیں تھا، بعض جگہ احادیث کے حوالہ جات نہیں تھے یا نامکمل تھے، اس ایڈیشن میں ان خامیوں کو دور کردیا گیا ہے۔

پہلی بار یہ کتاب حیدرآباد ہی کی ایک دینی درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام سے شائع ہوئی تھی، پھر ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء میں کتاب کا نیا ایڈیشن ''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' کے زیر اہتمام کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے شائع ہوا، اور اس کے بعد وہیں سے شائع ہوتی رہی، اب نظر ثانی اور بعض اضافوں کے ساتھ اس کا نیا ایڈیشن شائع ہورہا ہے، اہل علم اور اساتذہ سے درخواست ہے کہ جو باتیں قابل توجہ محسوس ہوں، ان کی طرف توجہ دلاکر شکریہ کا موقع دیں، یہ اس حقیر کے ساتھ ان کا بڑا تعاون ہوگا، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۲۰/ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ
۱۶/اکتوبر ۲۰۱۴ء

● ● ●

عرضِ مؤلف

علومِ شرعیہ میں اُصولِ فقہ کا موضوع نہایت اہم بھی ہے اور کسی قدر مشکل بھی ، یوں تو اس کا براہِ راست تعلق فقہ سے ہے؛ لیکن قرآن وحدیث سے بھی اس فن کا کچھ کم تعلق نہیں ؛ کیوں کہ قرآن وحدیث سے اخذ واستنباط کا مدار اسی فن پر ہے اور اس میں دستگاہ کے بغیر قرآن وحدیث کی روح کو نہیں پایا جاسکتا ؛ اسی لئے دینی مدارس میں اس فن کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے اور اس فن کی متعدد کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔

عام طور پر دینی مدارس میں اس موضوع پر '' اُصول الشاشی ، نور الانوار اور حسامی '' داخل نصاب ہے ، بعض مدارس نے شیخ عبدالوہاب الخلاف کی ''علم اُصول الفقہ'' کا بھی اضافہ کیا ہے، جو نصاب میں ایک مفید اور بہتر اضافہ ہے، نورالانوار میں چوں کہ لفظی بحثیں اور — غالباً — طولِ کلام کسی قدر زیادہ ہے، اس کی وجہ سے کتاب کا بہت کم حصہ سال بھر میں ہو پاتا ہے اور بہت سی مفید اور اہم بحثیں رہ جاتی ہیں، اس کو دیکھتے ہوئے ہم لوگوں نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں ''نورالانوار'' کی بجائے اس کا متن ''المنار'' پڑھانے کا تجربہ کیا، جو بہت مفید ثابت ہوا، اس سے اُصولِ فقہ کے تمام ہی مباحث مناسب طور پر طلبہ کی نگاہ سے گزر جاتے ہیں ، یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ فن میں بصیرت بلکہ مناسبت کے لئے اُصولِ فقہ کی ایک آدھ اور کتاب بھی داخل نصاب کی جانی چاہیے، شعبۂ تخصص فی الفقہ میں فقہ حنفی کے اُصول میں '' اُصولِ بزدوی '' اور مختلف مذاہب کے اُصول پر شیخ ابوزہرہؒ کی '' اُصول الفقہ '' بھی داخل نصاب کئے جانے کے لائق ہیں ۔

بحمداللہ راقم الحروف کو ان کتابوں کی تدریس کا موقع ملا ہے اور تجربہ ہے کہ فن کی پہلی کتاب

''اُصول الشاشی'' حالاں کہ زبان و بیان کے اعتبار سے نسبتاً سہل الفہم ہے اور تفریعات کی کثرت کی وجہ سے طلبہ کا ذہن بھی اس کو جلد قبول کرتا ہے؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسی کتاب کی تفہیم زیادہ دشوار ہوتی ہے؛ کیوں کہ یہ فن کی پہلی کتاب ہوتی ہے، اکثر فنون میں اب پہلی کتاب اُردو میں پڑھائی جانے لگی ہے، اس کی وجہ سے ہمارے یہاں معمولی ذہنی صلاحیت کے حامل طلبہ بھی فن کی مبادیات اور اساسیات کو سمجھ لیتے ہیں، آئندہ ان ہی مضامین کو عربی میں پڑھنا ان کے لئے آسان ہوجاتا ہے اور غالباً یہ بھی ہمارے ہندوستان کے دینی مدارس کے نصاب کی ایک قدیم روایت ہے، ایک زمانہ میں فارسی زبان کا چلن زیادہ تھا، دفاتر کی زبان تک فارسی تھی، تو اس دور میں فارسی زبان میں فن کی پہلی کتاب پڑھانے کا رواج تھا، جیسے: نحو میں ''نحومیر'' صرف میں ''میزان الصرف'' اور علم الصیغہ''، منطق میں ''کبریٰ'' وغیرہ، اب یہ جگہ اُردو نے لے لی ہے؛ حالاں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خود عربی زبان میں ان فنون کی تدریس جتنی مفید ہے، اُردو زبان میں ان کو پڑھانا شاید اس قدر فائدہ مند نہ ہو؛ لیکن مدارس میں جو تعلیمی انحطاط ہے اور جس کے مختلف اسباب وعوامل ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے قریب قریب تمام ہی اہل علم کی رائے ہے کہ فن کی پہلی کتاب مادری زبان میں پڑھادی جائے؛ تاکہ طالب علم پر بیک وقت فن اور زبان کا دوہرا بوجھ نہ پڑے۔

اسی مقصد کے تحت اُصولِ فقہ پر یہ مختصر رسالہ مرتب کیا گیا ہے کہ ''اُصول الشاشی'' سے پہلے دو تین ماہ میں یہ رسالہ پڑھادیا جائے، اس کے بعد اُصول الشاشی پڑھادی جائے؛ اس لئے یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ اُصولِ فقہ کے قواعد کا استیعاب نہیں ''انتخاب'' ہے، بعض مباحث قصداً چھوڑ دیئے گئے ہیں اور انھیں باتوں کے نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، جو مبتدی طلبہ کے لئے ضروری اور ان کے ذہن کے لئے قابل قبول ہیں۔

میں نے اس رسالہ میں حسامی و اُصول الشاشی کی ترتیب کی بجائے ''مسلم الثبوت'' اور ابن ہمامؒ وغیرہ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے؛ اس لئے کہ یہ ترتیب زیادہ فطری اور قریب الفہم ہے،

مثالیں اکثر وہی دی گئی ہیں جو عام طور پر مروجہ نصابی کتابوں میں مذکور ہیں؛ تا کہ اگلی کتابوں میں سہولت ہو، تدریسی اُصول کے مطابق ہر بحث کے اختتام پر تمرینات بھی دے دی گئی ہیں، اُمید ہے کہ اگر طلبہ سے تحریری یا زبانی طور پر تمرینات کرالی جائیں تو بڑا نفع ہوگا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کی ترتیب کا خیال پہلی دفعہ اس وقت آیا، جب اُصول الشاشی کا سبق متعلق ہوا، اسی وقت چند صفحات پر کچھ ''اشارات'' لکھ کر ایک ڈیڑھ ماہ اس کی تفہیم کی، جس سے فائدہ محسوس ہوا اور طلبہ نے بھی دلچسپی لے کر اپنے طور پر اس کا خلاصہ لکھا، پھر ۱۴۰۹ھ میں دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کے نصابِ تعلیم پر نظر ثانی کی گئی، جامعہ ہذا کے اساتذہ کے علاوہ پورے ملک سے معروف اور کہنہ مشق مدرسین کی آراء حاصل کی گئیں اور ان کی روشنی میں یہ بات طے پائی کہ ''اُصول الشاشی'' سے پہلے کوئی اور مختصر رسالہ اس موضوع پر پڑھایا جانا چاہئے، تو پھر اس ارادہ نے کروٹ لی کہ اس ضرورت کو پورا کرنے والا ایک مختصر اور آسان رسالہ مرتب ہو جائے؛ چنانچہ چند سال پہلے رمضان المبارک میں سفر حجاز کے موقع سے راقم نے اس یادداشت کو اپنے ساتھ رکھا اور اسی کی روشنی میں ماہِ رمضان المبارک میں محبی فی اللہ جناب ظفر اللہ خان صاحب (عزیزیہ، جدہ) کے مکان پر اس رسالہ کی ترتیب عمل میں آئی، بعد کو کہیں کہیں معمولی سی ترمیم اور اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

جامعہ عائشہ نسواں حیدر آباد اور آندھرا پردیش کے مختلف دینی مدارس میں اسی کا مسودہ پڑھایا جاتا رہا ہے؛ تا کہ درسی نقطۂ نظر سے اس رسالہ کے بارے میں عملی تجربہ ہو جائے اور اگر حذف و اضافہ کی ضرورت ہو تو پورا کیا جائے، پھر اس کے بعد راقم الحروف نے اپنے معمول اور مزاج کے مطابق مناسب محسوس کیا کہ کسی اور صاحب تحقیق کی نظر سے بھی گزر جائے، اسی نقطۂ نظر سے معروف بزرگ عالم دین اور علوم شرعیہ کے کہنہ مشق مدرس حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے پاس مسودہ بھیجا کہ وہ نظر ثانی بھی فرما دیں اور اس پر ایک پیش لفظ بھی تحریر کر دیں؛ چنانچہ موصوف نے پوری توجہ سے اسے دیکھا

اور از راہِ عنایت پیش لفظ بھی تحریر فرمایا، ان کی اس عزت افزائی اور عنایت فرمائی کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں ، اب دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول فرمائے ، اپنے مقصد میں نافع اور مفید بنائے اور ذخیرۂ آخرت کرے۔

میں برادرِ گرامی حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی کا بھی حد درجہ شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نہ صرف اس کتاب کی جامعہ ہذا سے طباعت کا نظم فرمایا؛ بلکہ اپنی بیش قیمت تقدیم کے ذریعہ بھی اس کتاب کی قیمت میں اضافہ فرمایا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء ۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے ، اپنے مقصد میں مفید اور نافع بنائے اور ذخیرۂ آخرت کرے۔

خالد سیف اللہ رحمانی	۱۲؍رجب ۱۴۱۷ھ
(ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)	۲۴؍نومبر ۱۹۹۶ء

● ● ●

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی
رسوله الأمین سیدنا محمد وآله وصحبه أجمعین۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ''اسلام'' اللہ تعالیٰ کا وہ آخری دین ہے (إنّ الدّین عند الله الإسلام) جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل ومشکلات کا حل فراہم کردیا گیا ہے؛ لیکن اس عقیدہ (یا حقیقت) کو تسلیم کرنے میں ایک سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے، وہ یہ کہ قرآن وسنت میں بیان کردہ احکام بہر حال محدود ہیں اور زمانہ رواں دواں ہے اور اس میں پیش آمدہ مسائل کی تعداد کی حد بندی ممکن نہیں، تو پھر آئے دن رُونما ہونے والے غیر محدود سوالات کے جوابات محدود ''نصوص'' سے کیوں کر معلوم ہوسکتے ہیں!

اس سوال کا جواب دراصل ''علم اُصولِ فقہ'' میں موجود ہے؛ کیوں کہ اس علم کی روشنی میں محدود ''نصوص'' سے لامحدود مسائل کے جوابات اور حل تلاش کئے جاسکتے ہیں، اس سے اُصولِ فقہ کی اہمیت وضرورت کا اندازہ لگالینا مشکل نہیں رہ جاتا، اسی بنا پر ہر زمانہ میں علماءِ شریعت نے اس علم سے پورا اعتناء کیا اور اہمیت اُجاگر کی، جس کا ثبوت وہ سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، جو ہر زمانہ میں لکھی گئیں اور آج بھی لکھی جارہی ہیں، خود ہندوستان میں ''مسلّم الثبوت'' اور اس کی شرح ''فواتح الرحموت''، ''نور الانوار''، ''النامی'' (یہ سب عربی میں ہیں) اور نہ جانے کتنی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور شائع ہوئے، علاوہ ازیں یہ فن برابر ہر زمانہ میں علومِ دینیہ کے مدارس کے اندر پڑھایا گیا اور آج بھی پڑھایا جارہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ فن نہایت دقیق ونازک ہونے کی وجہ سے ذہانت ومحنت کا

طالب ہے، مگر اب طلبۂ مدارسِ دینیہ کی استعدادوں میں روز بروز کمزوری آتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے عربی زبان میں لکھی کتابوں کے ذریعہ اس کے پڑھنے سے وہ دوہرا بوجھ محسوس کرتے ہیں، جس کا تحمل دشوار معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے وقت کا تقاضہ سمجھا گیا کہ یہ اُردو قالب میں ڈھالا جائے؛ کیوں کہ پورے برصغیر میں ''اُردو'' کم سے کم مسلمانوں کی مادری زبان کا درجہ رکھتی ہے اور مادری زبان میں علوم وفنون پڑھانے کی اہمیت وافادیت عام طور سے بتائی جاتی ہے، اگر چہ راقم الحروف ان بزرگوں کا ہم خیال رہا ہے جو بالکل ابتدائی درجات کے طلبہ کو چھوڑ کر بقیہ تعلیم کے تمام مراحل میں عربی مدارس کے طلبہ کے لئے عربی کتابوں ہی کو ذریعۂ تعلیم بنانا مفید بلکہ ضروری سمجھتے ہیں؛ لیکن دین اور علومِ دینیہ سے دوری، نیز علمی استعداد میں انحطاط وکمی کے اس دور میں ''شرلا بدمنہ'' (ناگزیر مصیبت) کے طور پر اُردو کتابوں کو ذریعۂ تعلیم بنانا بھی اب نامناسب نہیں سمجھتا، مگر ایسے دقیق ونازک فنون —— جیسا کہ علم اُصولِ فقہ ہے —— کا اُردو قالب میں ڈھالنا آسان کام نہیں؛ بلکہ بعض اعتبارات سے کتاب تصنیف کرنے سے بھی زیادہ مشکل اور دشوار ہے۔

مگر خوشی واطمینان کی بات یہ ہے کہ زیر نظر رسالہ میں 'علم اُصولِ فقہ' کو اُردو جامہ پہنا کر پیش کرنے والے ایک معروف نکتہ رس عالم دین مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی قاسمی زید مجدہ ہیں، جو علمی حلقوں میں —— اپنی بیش قیمت متعدد کتابوں، گرانقدر مقالات اور علمی تحقیقی مجالس میں بحث وگفتگو کی بنا پر —— ایک اہم مقام حاصل کر چکے ہیں، علم وتحقیق کی راہ میں جہدِ مسلسل اور سرگرم سفر رہنے کی وجہ سے —— یہ صفت نایاب نہیں تو کمیاب ہوگئی ہے —— انھیں ہم عمروں میں ہی نہیں، بزرگوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کے قلم سے نکلی کئی کتابیں، مثلاً: ''جدید فقہی مسائل، قاموس الفقہ'' نہ صرف عوام میں مقبول ہوئیں؛ بلکہ اہل علم نے بھی بعض مسائل میں اختلافِ رائے کے ساتھ ان کی تحسین کی ہے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب موصوف نے یہ رسالہ طلبۂ مدارسِ عربیہ کے لئے مرتب کیا ہے، جو اس فن سے

مناسبت پیدا کرنے اور اس کی ضروری بحثوں، نیز مبادی کے جاننے؛ بلکہ یاد رکھنے کا آسان ذریعہ ثابت ہوگا (انشاء اللہ تعالیٰ)، اور اُمید ہے کہ ''اُصول الشاشی'' سے پہلے اس کو پڑھا دینا طلبہ کے لئے بہت مفید اور نافع ہوگا۔

مرتب کے پیش نظر چوں کہ مدارسِ عربیہ ہندیہ کے طلبہ ہی ہیں؛ اس لئے انھوں نے زیر نظر رسالہ میں وہی مسائل اور مباحث ذکر کئے ہیں، (١) جو عموماً درسی کتابوں میں ملتے ہیں؛ البتہ تعلیم و تربیت کے نئے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں ہر بحث (سبق) کے آخر میں تمرین (مشق) کا التزام بھی کیا ہے، ہر بحث کے متعلق ضروری سوالات دے کر طلبہ کے اندر روزانہ اپنا سبق یاد کر لینے کی عادت ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، راقم نے اس رسالہ کو (مسودہ کی شکل میں) دیکھا ہے، جو اُصولِ فقہ کی مبادی اور ضروری درسی مباحث پر مشتمل ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر محترم مرتب کی ایماء و فرمائش پر یہ سطریں لکھنے کی جرأت ہوئی ہے، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر مقبول بنائے اور یہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ثابت ہو۔

(حضرت مولانا) **محمد برہان الدین سنبھلی**
(استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

٢٦ / رجب ١٤١٦ھ
٢٠ / دسمبر ١٩٩٥ھ

• • •

(١) نئے ایڈیشن میں کوشش کی گئی ہے کہ اُصول کی تطبیق میں عصری مسائل کی طرف بھی اشارہ ہوجائے ''رحمانی''۔

تقریظ

الحمد الله رب العا لمین والصلاۃ والسلام علی
رسولہ محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین ، أما بعد۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ پر اپنے قانون واحکام کو وحی متلو وغیر متلو یعنی قرآن وحدیث کی شکل میں نازل فرمایا، یہ دونوں عربی زبان میں ہیں، نبی علیہ السلام نے کتاب وسنت کے سانچہ میں ڈھال کر ایک جماعت تیار کی، جن کو 'صحابہ' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، عربی زبان ان حضرات کی خود اپنی مادری زبان تھی، نبی علیہ السلام کے فیض صحبت سے ان کے قلوب کا پورے طور پر تصفیہ وتزکیہ ہو گیا تھا، ہوائے نفس نام کی ان میں کوئی چیز نہ تھی، ان ہی اوصاف کی وجہ سے نصوص کے لئے ان کو قواعد وضوابط کی ضرورت نہیں تھی۔

دورِ صحابہ کے ختم ہونے کے بعد عربی زبان میں مہارت میں کمی واقع ہوگئی اور ہوائے نفس کا غلبہ ہو گیا، جس کی وجہ سے پرستاران ہویٰ وہوس نے ان نصوص کے الفاظ کی تحدید، متکلم کے منشاء کی تفسیر وتوضیح اور غیر منصوص سے ملحق کرنے میں بے راہ روی برتنی شروع کردی، جس کی وجہ سے علمائے حق کو اندیشہ ہوا کہ اگر اس کو لوگوں کے فہم وذوق اور قاضیوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تو ان نصوص کے معانی ومقاصد میں تحریف ہو جائے گی اور لوگ انصاف حاصل کرنے کے بجائے طرح طرح کے ظلم وجور کا شکار ہو جائیں گے؛ اس لئے کچھ قواعد وضوابط مقرر کردیئے جائیں، جن کے ذریعے صحیح نصوص کا فہم اور اس کے معنی ومفہوم کا سمجھنا سہل وآسان ہو جائے اور وہ اس معنی کے مطابق ہو جو اہل زبان سمجھتے ہیں۔

اس کے لئے دو قسم کے قواعد کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ نصوص کے الفاظ میں خفا اور ابہام ہو تو اس کے لئے ایسے قواعد ہونے چاہئیں، جن کی روشنی میں اس کی توضیح وتشریح اور معنی ومفہوم

کی تعیین ہوسکے، دوسرے اگر مسائل کے سلسلے میں نص قانون خاموش اور ساکت ہے تو اس قانون کی علت کا استخراج کرکے غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ ملحق کیا جاسکے، ان ہی قواعد وضوابط کا نام ''اُصولِ فقہ'' ہے۔

مسلمانوں نے جس طرح دیگر بہت سے ایسے علوم وفنون کو ایجاد بخشا، جو پہلے سے نہیں تھے، اسی طرح یہ قواعد وضوابط، جن کو ''اُصولِ فقہ'' کہا جاتا ہے، بھی مسلمانوں کا کارنامہ ہے، موجودہ زمانے کے قانون داں اور قانون کے شارحین نے اس طرح کے قواعد کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا، جس کی وجہ سے قانونی کتابوں کے شروع یا آخر میں کچھ قواعد وضوابط جمع کئے ہیں، جو اس کی تشریح میں مدد کرسکیں؛ لیکن فقہاء نے جس بصیرت اور عمیق نظر کے ساتھ اس کام کو انجام دیا ہے، اس کی مثال ملنی دشوار ہے، اس علم کی اہمیت کے پیش نظر ہمیشہ سے دینی مدارس میں اس کے پڑھنے پڑھانے کا رواج رہا ہے اور اس مضمون کی مختلف کتابیں داخل نصاب ہیں، مگر وہ سب کی سب عربی یا فارسی زبان میں ہیں، تعلیم کے نقطۂ نظر سے ابتدائی درجات میں طالب علموں کی مادری زبان میں اُن کو پڑھانا مفید ہوتا ہے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس ضرورت اور اس کی افادیت کو شدت سے محسوس کیا اور انھوں نے برصغیر کے طلبہ کی مادری زبان اُردو میں ''آسان اُصولِ فقہ'' کے نام سے یہ کتاب مرتب کی ہے، جس میں موصوف نے کوشش کی ہے کہ اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہی اور اصطلاحی حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ ان مسائل کو سہل انداز میں لکھا جائے اور بحمد اللہ مصنف اس میں کامیاب ہیں، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور طلبہ کے لئے نافع اور مفید بنائے، آمین۔

(حضرت مولانا) **نعمت اللہ اعظمی غفرلہ** (دامت برکاتہم)

۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ (استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند)

• • •

تقدیم

اُصولِ فقہ پر علماء کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع ہے، زیرِ نظر کتاب ''آسان اُصولِ فقہ'' اس سنہری زنجیر کی ایک حسین کڑی ہے، اگر یہ کتاب اُصول الشاشی سے پہلے پڑھادی جائے تو اُردو زبان میں ہونے کی وجہ سے طلبہ فقہی اُصول اور ضابطوں کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں، ابتدائی دور میں ہندوستانی طلبہ کے لئے فنی کتاب کی جو زبان عربی یا فارسی ہوتی ہے، وہ مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ پر عام حیثیت سے دوبار ڈالتی ہے، ایک بار زبان کو سمجھنے کا اور دوسرا بار ہے اس زبان میں جو فن پیش کیا جارہا ہے، اس کو اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اخذ اور جذب کرنے کا، عربی زبان اور اس میں جو علوم وفنون کا عظیم سرمایہ اور بیش بہا خزانہ ہے، اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اور مرحلۂ ثانیہ میں ان کتابوں ہی کو پڑھنے اور پڑھانے کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے اگر مرحلۂ اولیٰ میں فنی کتابیں ہندوستانی طلبہ کو اُردو میں پڑھادی جائیں تو نفسیاتی پہلو سے اور تعلیم وتعلم کے فن کے لحاظ سے بڑا ہی مفید عمل ہوگا۔

مگر اس کے لئے شرط ہے کہ فن کی جو بھی کتاب اس ابتدائی مرحلہ میں بزبانِ اُردو پڑھائی جائے، وہ نصابی کتب کی تدوین اور ترتیب کے مقررہ معیار پر پوری اُترتی ہو اور اس راہ کے شناور کی نظروں سے گذر کر کھرے کھوٹے کی میزان میں تل کر دستِ شوق میں آئی ہو، خوشی کی بات ہے کہ آپ کے ہاتھ میں جو کتاب ہے، وہ تجربہ اور ریہرسل کی راہِ پیچ وخم سے گذر کر ہی آئی ہے، اور طلبہ مسودۂ کتاب کی زیراکس کاپیوں سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے ہیں، یہی ''جامِ سفال'' اب ''جامِ جم'' میں تبدیل ہوکر میخانۂ علمی کے میخواروں کے ہاتھوں میں گردش کرنے کے لئے تیار ہے؛ بلکہ اب تو ان کے ہاتھوں میں ہے، اقبال جو فقہ اسلامی کی جدید

ترتیب چاہتے تھے، وہ اگر ہوتے تو ''جدید فقہی مسائل، حلال وحرام، قاموس الفقہ اورعورت — اسلام کے سائے میں'' کے مصنف کی نئ تصنیف ''بقامت کہتر، بہ قیمت بہتر'' کو دیکھ کر فرحت وانبساط سے سرشار، یہ کہتے :

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل سے ہوتی ہے نظر پیدا

آپ کے علم میں رہے کہ کتاب کے مصنف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دارالعلوم دیوبند) صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، آبائی طور پر ''تیشہ'' نہیں ''قلم'' چلاتے رہے ہیں اور دنیوی سامان کی تجارت نہیں ؛ بلکہ '' هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ''(صف:۱۰) ''کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتادوں جو تمہیں عذابِ دردناک سے بچادے'' کی تجارت کرتے رہے ہیں، اس لحاظ سے ان کے قلم میں پختگی اور علمی ودینی تجارت میں خلوص وللّٰہیت ہے، ان کو اسلامی علوم وفنون میں فقہِ اسلامی سے دلچسپی وراثت میں ملی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ وہ زبانِ اُردو میں شبلی وحالی کی زلفِ اُردو کے اسیر ہیں، اس لئے زبان وبیان میں فقہ والی روایتی خشکی نہیں ؛ بلکہ رنگینی ورعنائی کی جھلک ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی نوخیز عمری کے باوجود وہ ہندوستان کے ان علماء میں شامل ہوگئے ہیں، جن کی علمی خوشبو ہندوستان سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہے، مولانا رحمانی اپنی علمی وتصنیفی قابلیت، تقریری صلاحیت اور تدریسی لیاقت کی وجہ سے ملک اور بیرونِ ملک میں خوب جانے پہچانے جاتے ہیں، خدا کرے یہ ہمیشہ ''پُردم'' (وسیع تر معنی ومفہوم میں) رہیں کہ اقبال کے ایسے ''پُردم شاہین'' کو کبھی خطرۂ افتاد لاحق نہیں ہوتا۔

آخر میں دوبارہ عرض ہے کہ مولانا رحمانی کی یہ کتاب اپنی ترتیب کے لحاظ سے نہایت عمدہ ہے، اس میں تمہید کے بعد پہلے ادلۂ شرعیہ کا بیان ہے، پھر حکم شرعی کا، اس کے بعد دلالت ِ کلام کی بحث ہے، آخر میں احکامِ شریعت کے مقاصد ومدارج پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، درسی اُصول وفن اور مسافرِ علم کی نفسیات کے مطابق بحث کے ساتھ تمرینات بھی رکھی گئی ہیں اور تمرینات

میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ میں فقہی اُصول کو اپنے عہد کے فقہی مسائل پر منطبق کرنے کا ذوق پیدا ہو، اس کتاب کا ایک قابل تحسین پہلو یہ بھی ہے کہ اُصول فقہ حنفی کے علاوہ دوسرے مذاہب فقہیہ کے اُصول کی خاص خاص بحثوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، زبان سہل اور سادہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اصطلاحات آسان طریقہ پر سمجھائی جائیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ نصابی نقطۂ نظر سے برصغیر کے دینی مدارس کے لئے یہ ایک بہترین کتاب ثابت ہوگی، ضرورت ہے کہ دینی مدارس اس کو اپنے نصاب میں داخل کریں؛ تاکہ طلبہ اُصولِ فقہ کی اصل اور حقیقت سے آسانی کے ساتھ اپنے ابتدائی دور میں واقف ہو سکیں اور اس مضبوط بنیاد پر بعد میں جو دیوار اور چھت آئے وہ پختہ تر ہو، ایسی اچھی کتاب کی تالیف پر عزیز گرامی قدر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بہر طور قابل مبارکباد ہیں، خدا کرے کہ ان کی یہ کتاب خلق اور خالق دونوں کی نگاہ میں مقبول و محبوب ہو۔

(حضرت مولانا) محمد رضوان القاسمیؒ
(ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد)

۲۰؍رجب ۱۴۱۷ھ
۲؍دسمبر ۱۹۹۶ء

● ● ●

اُصولِ فقہ

- ''اُصولِ فقہ'' وہ قواعد ہیں، جن کے ذریعہ شرعی دلیلوں سے عملی شرعی احکام کے اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔
- اُصولِ فقہ کا موضوع 'ادلۂ شرعیہ' اور 'احکام شرعیہ' ہیں۔
- ادلۂ شرعیہ اس اعتبار سے کہ ان سے تفصیلی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔
- احکامِ شرعیہ اس لحاظ سے کہ وہ ادلۂ شرعیہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔
- اُصولِ فقہ کا 'مقصود' استنباط احکام میں خطاء سے محفوظ رہنا ہے۔

اس لئے اُصولِ فقہ کی بحثیں چار اہم حصوں میں منقسم ہیں :

(۱) ادلۂ شرعیہ۔

(۲) احکامِ شرعیہ۔

(۳) احکامِ شرعیہ سے استنباط کے طریقے۔

(۴) احکامِ شرعیہ کے مقاصد و مصالح۔

● ● ●

ادلۂ شرعیہ

دلیل : وہ ہے جس میں صحیح غور وفکر کے ذریعہ کسی حکم کو جانا جا سکے۔

حکم شرعی : وہ ہے جس سے مکلف کے افعال کی صفت شرعی بیان کی جاتی ہے، یعنی فرض، واجب، مستحب، حرام، مکروہ، مباح، جیسے :

اقیموا الصلوٰۃ، سے بندوں پر نماز کی فرضیت کا حکم معلوم ہوا۔

حرم الربوا، سے بندوں کے لئے سود کی حرمت کا حکم معلوم ہوا۔

ادلۂ شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: متفق علیہ اور مختلف فیہ۔

متفق علیہ سے مراد وہ ادلۂ شرعیہ ہیں، جن پر مجتہدین کا اتفاق ہے۔

مختلف فیہ سے مراد وہ ادلہ ہیں، جن کے حجت ہونے اور نہ ہونے میں مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے۔

متفق علیہ ادلۂ شرعیہ چار ہیں :

(۱) کتاب اللہ۔

(۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۳) اجماع۔

(۴) قیاس۔

مختلف فیہ ادلۂ شرعیہ سات ہیں :

(۱) استحسان۔ (۲) مصالح مرسلہ۔

(۳) عرف۔ (۴) سد ذرائع۔

(۵) قولِ صحابی۔ (۶) شرائع ما قبل۔

(۷) استصحاب۔

تمرینی سوالات

(۱) دلیل کسے کہتے ہیں؟

(۲) حکم شرعی کی تعریف کیجئے۔

(۳) درج ذیل آیات میں بتائیے کہ دلیل کیا ہے اور حکم شرعی کیا ہے؟

- كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔(بقرہ:۱۸۳)
- اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ۔(بقرہ:۲۷۵)

(۴) متفق علیہ ادلہ کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں؟

(۵) مختلف فیہ ادلہ کتنے اور کیا کیا ہیں؟

متفق علیہ ادلہ

کتاب اللہ

- وہ کتاب ہے، جو عربی زبان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔
- اس کے الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہیں۔
- وہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔
- سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور سورۂ ناس پر ختم ہوتی ہے۔
- اس کا نام ''قرآن مجید'' ہے۔
- حدیث میں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، صرف معانی اللہ کی طرف سے ہیں، اس لئے وہ قرآن میں داخل نہیں۔
- ترجمۂ قرآن، اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ قرآن نہیں ہے۔
- گذشتہ انبیاء کی کتابیں ہم تک تواتر کے ساتھ نہیں پہنچی ہیں اور نہ یہ عربی زبان میں ہیں؛ اس لئے ان کو بھی قرآن نہیں کہا جا سکتا۔

● شاذ قرائتیں ہم تک تواتر کے ساتھ نہیں پہنچی ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت: ''وعلی الوارث — ذی الرحم المحرم — مثل ذلک'' میں ''ذی الرحم المحرم'' شاذ طریقہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا یہ کتاب اللہ کا مصداق نہیں۔

اُسلوب

قرآن میں کسی کام کے مطالبہ کے لئے درجِ ذیل اُسلوب اختیار کئے جاتے ہیں :

(۱) امر کا لفظ، جیسے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى۔ (نحل:۹۰)

(۲) امر کا صیغہ، جیسے: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ (البقرۃ:۴۳)

(۳) کسی کام کے بارے میں فرض ہونے کی خبر دینا جیسے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى۔ (البقرۃ:۱۷۸)

(۴) کسی بات پر جواب دہی اور گرفت کی خبر دینا، جیسے: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (الاسراء:۳۴)

(۵) کسی کام کے خیر اور نیکی ہونے کی اطلاع دینا، جیسے: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ (بقرۃ:۲۲۰)

(۶) کسی فعل کو شرط کی جزاء کے طور پر ذکر کیا جائے، جیسے: اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ۔ (بقرۃ:۲۸۰)

(۷) کسی فعل پر ثواب یا حسن جزاء کا وعدہ کیا جائے، جیسے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ (مؤمنون:۱-۲)

قرآن میں کسی چیز سے روکنے کے لئے درجِ ذیل طریقے اختیار کئے جاتے ہیں :

(۱) تحریم کا لفظ، جیسے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (مائدہ:۳)

(۲) نہی کا لفظ، جیسے: ...... وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ۔ (نحل:۹۰)

(۳) نہی کا صیغہ، جیسے: لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔(بقرۃ:۱۹۰)

(۴) کسی فعل کے ترک کرنے کا امر، جیسے: وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا۔(بقرۃ:۲۷۸)

(۵) حلت کی نفی، جیسے: لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا۔(نساء:۱۹)

(۶) کسی فعل کے شر اور برے ہونے کی خبر دینا، جیسے: لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔(آل عمران:۱۸۰)

(۷) کسی فعل کے نیکی نہ ہونے کی خبر دینا، جیسے: وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى۔(بقرۃ:۱۸۹)

(۸) کسی فعل کے ساتھ وعید ذکر کی جائے، جیسے: وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا۔(نساء:۹۳)

(۹) کسی فعل کو گناہ قرار دینا، جیسے: فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ۔(بقرۃ:۱۸۱)

● قرآن میں کسی فعل کے مباح اور اختیاری ہونے کو اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے :

(۱) حلال کہہ کر، جیسے: وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ۔(مائدہ:۵)

(۲) گناہ (اثم، جناح) کی نفی کی جاتی ہے، جیسے: ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ''(بقرۃ:۱۷۳) یا جیسے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔(بقرۃ:۱۹۸)

(۳) حرج کی نفی کی جاتی ہے، جیسے: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔(النور:۶۱)

(۴) کسی نعمت اور منفعت کا ذکر کر کے احسان جتلایا جائے، جیسے: وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۔(نحل:۵)

(۵) کسی چیز کی تحریم پر رد کیا گیا ہو، جیسے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔(اعراف:۳۲)

(۶) کسی چیز کے بارے میں خبر دی جاتی ہے کہ اس کو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے، یا مسخر فرمایا ہے، جیسے :

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔(بقرۃ:۲۹)

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔ (جاثیہ:۱۳)

قرآن کی اپنے معانی پر دلالت کی دو قسمیں ہیں: دلالتِ قطعیہ، دلالتِ ظنیہ۔

دلالتِ قطعیہ : یہ ہے کہ اس کلام کی ایک ہی مراد متعین ہو، دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، جیسے :

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (نور:۲)

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ (نساء:۱۱)

پہلی آیت میں زنا کی سزا (۱۰۰) کوڑے اور دوسری آیت میں عورت کے مقابلہ میں مرد کا حصہ دوگنا ہونے پر قطعی اور واضح دلالت موجود ہے۔

دلالت ظنیہ : یہ ہے کہ اس کلام میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو، جیسے: يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (بقرہ:۲۲۸) "قروء" کے معنی حیض کے بھی ہوسکتے ہیں اور طہر کے بھی ہیں، یا وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ (المائدۃ:۶) "برؤسکم" میں "ب" اگر بعض کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا کہ سر کے بعض حصہ کا مسح کرو، اور بیان کے لئے ہو یا زائد ہو تو مراد ہوگی: پورے سر کا مسح کرو؛ لہٰذا ان میں سے کسی ایک معنی پر دلالت ظنی ہوگی نہ کہ قطعی۔

سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو ''حدیث'' یا ''سنت'' کہتے ہیں۔

- قول سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں، جیسے: ''انما الاعمال بالنیات''۔(۱)
- فعل سے مراد آپ کے افعال ومعمولات ہیں، جیسے :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغدو إلی المصلی والعنزة بین یدیه تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیه فیصلی إلیها''۔(۲)

- تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ کے سامنے کسی اور نے کوئی بات کہی، یا کوئی عمل کیا، یا کسی کا عمل آپ کے سامنے نقل کیا گیا اور آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، جیسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

احتلمت فی لیلة باردة (وأنا) فی غزوة ذات السلاسل فأشفقت إن اغتسلت أن أهلک فتیممت ثم صلیت بأصحابی ثم أخبرت النبی فضحک و لم یقل شیئاً۔(۳)

حجّیت

حدیث کے حجت اور دلیلِ شرعی ہونے پر تمام ائمۂ مجتہدین کا اتفاق ہے؛ اس لئے کہ :

---

(۱) بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر: ۱۔

(۲) بخاری عن ابن عمر، حمل العنزة أو الحربة بین یدی الامام یوم العید، حدیث نمبر: ۹۷۳۔

(۳) رواہ ابوداؤد: ۱/ ۴۸، باب إذا خاف الجنب البرد أ تیمم، حدیث نمبر: ۳۳۴۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا مستقل طور پر حکم دیا ہے، جیسے :
وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۔(مائدہ:۹۲)
اور رسول کی اطاعت کو خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۔(نساء:۸۰)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری صرف قرآن مجید کا پہنچا دینا نہیں ؛ بلکہ اس کی تشریح و وضاحت بھی ہے؛ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :
وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ۔ (النحل:۴۴)
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح و توضیح حدیث ہی کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتی ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل اور پوری زندگی کو تمام انسانیت کے لئے نمونہ عمل اور قابل اتباع قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ (الاحزاب:۲۱)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو جو بھی تعلیم دی ہے، خواہ وہ قرآن مجید کی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ، اللہ نے ان سب کو قبول کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جن باتوں سے منع کیا ہے، خواہ قرآن کے واسطے سے ہو یا حدیث کی شکل میں ہو، سب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے :
مَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰـکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ (الحشر:۷)

(۵) قرآن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں، وہ سب کی سب اللہ کی طرف سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں فرماتے ہیں :
اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔ (النجم:۴)

(۶) اتباعِ سنت کے واجب ہونے پر صحابۂ کرام وائمۂ فقہاء کا اتفاق ہے۔

لہٰذا حدیث کے حجت ہونے کا انکار گمراہی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے لوگوں کی مذمت منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

يو شك رجل منكم متكئا على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول : بيننا وبينكم كتاب الله فما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام استحرمناه ألا وإن ماحرمه رسول الله مثل ماحرمه الله۔(۱)

سنت کی قسمیں

روایوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہیں :

(۱) متواتر۔

(۲) مشہور۔

(۳) خبرِ واحد۔

متواتر : وہ حدیث ہے جس کو صحابہ کے دور سے آج تک اتنی بڑی جماعت نقل کرتی آئی ہو، جن کا عادتاً جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔

تواتر کی دو قسمیں ہیں :

(۱) تواترِ لفظی۔

(۲) تواترِ معنوی۔

تواترِ لفظی : یہ ہے کہ حدیث کے کسی متن کو ایسی جماعت روایت کرتی آئی ہو، جس کا عادتاً جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو، جیسے: ''من كذب عليّ متعمدا فليّتبوّأمقعده من النار ''(۲) کہ اس کو ۹۸ صحابہؓ نے روایت کیا ہے، یا جیسے مسح علی الخفین کی روایتیں، کہ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ چالیس صحابہؓ اس حدیث کے ناقل ہیں۔

---

(۱) ابن ماجہ، باب اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر:۱۲۔

(۲) ابن ماجہ، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر:۳۰۔

تواترِ معنوی : یہ ہے کہ تعبیر میں اختلاف کے باوجود کسی خاص مضمون کو عہدِ صحابہ سے رواۃ کی اتنی بڑی تعداد نقل کرتی آئی ہو کہ بہ ظاہر ان کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو، جیسے: حضور ﷺ پر سلسلۂ نبوت کا ختم ہوجانا، قیامت کے قریب حضرت مسیح کا نازل ہونا، مسواک کا مطلوب وپسندیدہ عمل ہونا — اس قسم کی متواتر احادیث بہت ہیں۔

متواتر حدیثیں قطعی الثبوت ہوتی ہیں، علم یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور تواتر سے ثابت ہونے والے احکام کا مناسب تاویل کے بغیر انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔

مشہور : وہ حدیث ہے جس کو صحابہؓ کے دور میں ایک دو اشخاص نے نقل کیا ہو؛ لیکن عہدِ تابعین میں اتنی بڑی جماعت ناقل ہو کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کرلینا ناقابلِ تصور ہو، جیسے: ''إنما الأعمال بالنیّات'' رسول اللہ ﷺ سے اس کے راوی صرف حضرت عمرؓ ہیں، حضرت عمرؓ سے صرف علقمہؒ نے اور علقمہؒ سے بہت سے راویوں نے اس کو نقل کیا ہے، یہاں تک کہ ائمۂ اربعہ سے یہ روایت منقول ہے۔

مشہور کا حکم : حدیثِ مشہور سے ''علم طمانینت'' حاصل ہوتا ہے، یعنی قلب اس کے صحیح ہونے پر مطمئن ہوتا ہے؛ البتہ اس کی صحت کا یقین نہیں ہوتا، حدیثِ مشہور کے ذریعہ کتاب اللہ کے عموم میں تخصیص اور مطلق میں تقیید کی جاسکتی ہے، جیسے قرآن نے مطلق وصیت کو درست قرار دیا ہے: مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ (نساء:۱۱)؛ لیکن حدیث نے زیادہ سے زیادہ مقدارِ وصیت کو ایک تہائی سے مقید کردیا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فالثلث والثلث کثیر''۔(۱)

اسی طرح میراث کے حکم میں عموم ہے کہ تمام اولاد کے لئے حق میراث ہے: ''يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ'' (نساء:۱۱)؛ لیکن حدیث اس عام کی تخصیص کرتی ہے کہ اگر اولاد اپنے باپ کی قاتل ہو تو اس کو باپ کے مال سے میراث نہیں ملے گی، ''القاتل لایرث''۔(۲)

---

(۱) بخاری، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث نمبر: ۲۷۴۴۔

(۲) ترمذی، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، حدیث نمبر:۲۱۰۹۔

خبرِ واحد

وہ حدیث ہے جس کو ہر دور میں اتنے لوگوں نے روایت نہ کیا ہو، جن کا عادتاً جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو، زیادہ تر حدیثیں اسی قسم کی ہیں، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لایؤ من أحدکم حتی یحب لأخیه مایحب لنفسه''۔(۱)

حکم : خبرِ واحد کی صحت ثابت ہو تو اس پر اس کے مضمون کے مطابق عمل واجب ہے، یعنی اگر اس سے کسی بات کا وجوب ثابت ہو تو وہ واجب ہوگا، کسی عمل کا استحباب ثابت ہو تو اس کو مستحب تسلیم کرنا ضروری ہوگا؛ البتہ یہ یقینی علم کا فائدہ نہیں دیتا۔

خبرِ واحد سے اعتقادات بھی ثابت ہو سکتے ہیں؛ لیکن ایسے اعتقادی احکام کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

احادیثِ احکام پر اہم کتابیں

متعدد کتابیں وہ ہیں، جن میں خاص طور پر احکام سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے، ان میں سے کچھ اہم کتابیں یہ ہیں :

- عمدۃ الاحکام من سید الانام : عبد المغنی مقدسی
- الاحکام لاحادیث الاحکام : ابن دقیق العید
- المنتقی فی الاحکام : عبد السلام بن عبد اللہ بن تیمیہ حرانی
- بلوغ المرام : ابن حجر عسقلانی
- آثار السنن : مولانا ظہیر احسن شوق نیموی
- اعلاء السنن : مولانا ظفر احمد عثمانی
- معرفۃ السنن والآثار : مولانا امین الاحسان مجددی

---

(۱) بخاری، باب من الایمان أن یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، حدیث نمبر: ۱۳۔

اس کے علاوہ جو مجموعے ''سنن'' کہلاتے ہیں، ان میں بھی اصل میں احادیثِ احکام ہی پیش نظر ہیں۔

تمرینی سوالات

(۱) سنت کسے کہتے ہیں؟

(۲) اگر کوئی راوی اس طرح نقل کرے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وضو کیا تو یہ قول ہوگا یا فعل یا تقریر؟

(۳) حدیث کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے؟

(۴) تواترِ لفظی اور تواترِ معنوی میں فرق بتاؤ؟

(۵) پنج گانہ نماز حدیثِ متواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور ثابت ہے تو کس قسم کے تواتر سے؟

(۶) حدیثِ مشہور اور متواتر میں کیا فرق ہے؟

(۷) خبر واحد کسے کہتے ہیں؟

(۸) خبر واحد، خبر مشہور اور متواتر کے احکام بتلائیں۔

اجماع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اُمتِ محمدیہ کے مجتہدین کا کسی بھی زمانہ میں کسی حکم شرعی کی بابت اتفاق کر لینا ''اجماع'' ہے۔

معلوم ہوا کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اُمت کا اجماع معتبر نہیں۔

نہ کسی بھی عہد میں عام مسلمانوں کا اتفاق اجماع ہے۔

نہ اکثر مجتہدین کی رائے اجماع کہلاتی ہے۔

اسی طرح کسی لغوی یا عقلی بات پر اتفاق بھی اجماع نہیں ہے۔

اجماع کی دو قسمیں ہیں: اجماعِ قولی، اجماعِ سکوتی۔

● اجماعِ قولی یہ ہے کہ تمام مجتہدین صراحتاً کسی رائے پر اتفاق کا اظہار کردیں، جیسے صحابہ کا اس امر پر اجماع کہ دادی چھٹے حصہ کی وارث ہوگی۔

● اجماعِ سکوتی یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں بعض مجتہدین اپنی رائے کا اظہار کریں اور دوسرے لوگ اس پر سکوت اختیار کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت پر حد جاری کرتے ہوئے اس کو کوڑا لگانا چاہا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر کی اور کہا کہ آپ کو اِس عورت کو سزا دینے کا حق حاصل ہے؛ لیکن جو بچہ زیر حمل ہے، اس کو سزا دینے کا کیا حق ہے؟ إن یک لک السبیل علیھا ، فلک السبیل علی ما فی بطنھا؟ (۱) اس پر دوسرے صحابہؓ نے سکوت اختیار کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنا ارادہ واپس لے لیا۔

اجماعِ سکوتی کے معتبر ہونے کے لئے شرط ہے کہ :

(۱) اس مجتہد کی رائے تمام اہل علم تک پہنچ چکی ہو۔

(۲) اظہارِ رائے کے بعد اتنا عرصہ گذر چکا ہو، جو اہل علم کے اس پر غور وخوض کرنے کے لئے کافی ہو۔

(۳) مسئلہ اجتہادی ہو، اگر کسی قطعی مسئلہ میں نص کے خلاف کوئی مجتہد فتویٰ دے اور دوسرے لوگ اس پر سکوت اختیار کریں تو یہ اس سے موافقت کی دلیل نہ ہوگی؛ بلکہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ ان کے نزدیک قابل توجہ نہیں ہے۔

دلیل حجیت

● اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا۔ (نساء:۱۱۵)

(۱) مصنف عبدالرزاق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۳۴۵۴۔

اجماع ''سبیل المؤمنین'' ہے اور اس سے انحراف اس کے غیر کی اتباع ہے۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إن أمتي لن تجتمع على ضلالة''۔(۱)

یہ اور اس مضمون کی متعدد روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت محمدیہ غیر درست بات پر جمع نہیں ہوسکتی۔

سندِ اجماع

اجماع ہمیشہ کسی اور دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے، اس کو ''سندِ اجماع'' کہتے ہیں۔

سند اجماع چار ہیں :

(۱) کتاب اللہ۔

(۲) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۳) قیاس۔

(۴) مصلحت۔

— ایسا اجماع جس کی سند قرآن ہو، کی مثال یہ ہے کہ ''جدہ'' سے نکاح کی حرمت پر اجماع ہے اور اس کی بنیاد آیتِ قرآنی: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ''(نساء:۲۳) ہے کہ جدات ہی اُمہات کی اصل ہیں۔

— حدیث کے سند اجماع ہونے کی مثال یہ ہے کہ کسی بھی دو محرم عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ حدیث میں ہے :

لاتنكح المرأة على بنت أختها و لاتنكح المرأة على عمتها ولا تنكح المرأة على خالتها ولا تنكح المرأة على ابنة أخيها۔(۲)

(۱) ابن ماجہ، باب السواد الاعظم: ۲/۳۶۷، حدیث نمبر: ۳۹۹۸۔

(۲) مصنف عبدالرزاق، کتاب النکاح، باب ما یکرہ أن یجمع بینھن من النساء، حدیث نمبر: ۱۰۷۵۸۔

— قیاس کے سندِ اجماع ہونے کی مثال یہ ہے کہ صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامتِ کبریٰ کو امامتِ صغریٰ پر قیاس کر کے ان کی خلافت پر متفق ہو گئے، اسی طرح صحابہؓ حدِ خمر کو حد قذف پر قیاس کر کے اس بات پر متفق ہوئے کہ حد خمر بھی ۸۰ کوڑے ہو گی۔(۱)

— مصلحت پر مبنی اجماع کی مثال جمع قرآن پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق ہے۔

— اس طرح عہد عثمانی میں صحابہ کا اس بات پر اتفاق کہ قرآن مجید کو لغت قریش پر تحریر کیا جائے؛ تا کہ مختلف قبائل کی لغات کا اختلاف اُمت میں اختلاف کا باعث نہ بن جائے۔

اجماعی احکام پر کتابیں

یوں تو جو کتابیں اختلاف فقہاء پر لکھی گئی ہیں، ان میں ضمنی طور پر اجماعی احکام کا ذکر بھی آ گیا ہے؛ لیکن بعض کتابیں خاص اجماعی احکام پر بھی مرتب کی گئی ہیں، ایسی کتابوں میں علامہ ابوبکر بن منذر نیساپوری (م:۳۱۸ھ) کی ''کتاب الاجماع'' اور موجودہ دور کے اہل علم میں ڈاکٹر سعدی ابوحبیب کی ''موسوعۃ الاجماع'' اہم کتابیں ہیں۔

تمرینی سوالات

(۱) اجماع کی تعریف کیجئے اور کوئی دو ایسا حکم بتائیے جس پر اُمت کا اجماع ہو؟

(۲) اجماع کی کیا کیا قسمیں ہیں؟

(۳) اجماع کے حجت ہونے کی دلیل کیا ہے؟

(۴) اجماع سکوتی کے معتبر ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

(۵) سندِ اجماع کیا کیا ہے؟

(۶) مصلحت کے سندِ اجماع ہونے کی مثال بتائیں۔

(۷) اجماعی احکام پر لکھی گئی اہم کتابوں کے نام تحریر کریں۔

---

(۱) مؤطا امام مالک، باب الحد فی الخمر، حدیث نمبر: ۱۵۳۳۔

قیاس

علت کے مشترک ہونے کی بناء پر غیر منصوص واقعہ یعنی فرع میں 'منصوص صورت یعنی اصل' کا حکم لگانے کو ''قیاس'' کہتے ہیں ــــ اس طرح قیاس کے چار ارکان ہوتے ہیں :

(۱) اصل۔ (۲) فرع۔

(۳) حکم۔ (۴) علت۔

- ''اصل سے مراد وہ صورت ہے جو صراحتاً کتاب وسنت میں مذکور ہو یا اجماع سے ثابت ہو، اس کو ''مقیس علیہ'' بھی کہتے ہیں، یعنی: حرام، جائز وغیرہ۔
- ''فرع'' سے مراد وہ واقعہ ہے جس کا نص میں صراحتاً ذکر نہیں ؛ لیکن اس میں منصوص صورت کا حکم لگایا جائے، اس کا دوسرا نام ''مقیس'' بھی ہے۔
- ''حکم''، فعل کا وہ وصف ہے جو نص میں مذکور ہوتا ہے اور غیر منصوص واقعہ میں منتقل کیا جاتا ہے۔
- ''علت'' وہ خاص سبب ہے جس کی وجہ سے اصل میں کوئی خاص حکم لگایا جاتا اور اس کو فروع تک متعدی کیا جاتا ہے۔

مثلاً قرآن نے انگوری شراب یعنی خمر کو حرام قرار دیا، اس پر قیاس کرتے ہوئے کھجور وغیرہ کی شراب بھی حرام قرار دی گئی، تو خمر مقیس علیہ، کھجور کی شراب مقیس، حرام ہونا حکم اور نشہ آور ہونا علت ہے، جو دونوں شراب میں پائی جاتی ہے ــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچہ کے لئے عورت کے دودھ کو حلال قرار دیا ہے، جس کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، اس کی علت نومولود بچہ کی جان بچانا ہے؛ کیوں کہ غذا ہی پر انسان کی بقا ممکن ہے، بعض دفعہ انسان کی زندگی بچانے کے لئے یہ بات ضروری ہوجاتی ہے کہ اس کو دوسرے انسان کا خون چڑھایا جائے؛ لہٰذا دودھ پر قیاس کرتے ہوئے ایسے مریض کو خون چڑھانا جائز ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ جیسے دودھ انسان کا جز ہے، اسی طرح خون بھی انسان کا جز ہے، دودھ مقیس علیہ ہے، خون مقیس ہے، جائز ہونا حکم ہے اور زندگی کا بچاؤ علت ہے۔

حجیّت

قیاس کے حجت ہونے پر ائمۂ اربعہ اور اکثر فقہاء متفق ہیں؛ کیوں کہ :

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاعْتَبِرُوْا يَآُولِي الْاَبْصَارِ ''(حشر:۲) ـــ اکثر علماء نے یہاں ''اعتبار'' سے قیاس مراد لیا ہے۔

(۲) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''أجتهد رأيي ''۔(۱)

(۳) قبیلہ بنو خثعم کی ایک خاتون نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے والد فوت ہو گئے، ان کے اوپر حج فرض تھا، میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ان پر دَین ہوتا تو ادا کرتی؟ عرض کیا: ہاں، فرمایا: پھر ان کی طرف سے حج بھی کرو۔(۲)

اس میں آپ ﷺ نے ''حق اللہ'' کو ''حق الناس'' پر قیاس فرمایا۔

(۴) عن عمر رضي الله عنه قال: صنعت اليوم يا رسول الله أمرا عظيما! قبّلت وأنا صائم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أرأيت لو مضمضت من الماء وأنت صائم؟ فقال: لا باس۔(۳)

اس میں آپ ﷺ نے بوسہ کو کلی پر قیاس فرمایا ہے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک عورت نے اپنے آشنا کے ساتھ اپنے سوتیلے بیٹے کو قتل کر دیا اور یہ معاملہ عدالت فاروقی میں آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تامل تھا کہ ایک کے بدلہ میں دو قتل کئے جائیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ایک اونٹ کی چوری میں دو آدمی شریک ہوں تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا: ہاں! حضرت علیؓ نے کہا: پھر اسی طرح دونوں قتل کئے جانے چاہئیں۔

---

(۱) مسند الامام احمد بن حنبل: ۵/ ۲۹۲۔

(۲) بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۴۱۳۸۔

(۳) ابوداؤد، باب القبلۃ للصائم، حدیث نمبر: ۲۳۸۵۔

(۶) اسی طرح صحابہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافتِ کبریٰ کو نماز کی امامت صغریٰ پر قیاس کیا :

عن علی قال : رضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا فقدمنا أبابکر ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ بھی قیاس کے قائل تھے اور غیر منصوص واقعات میں منصوص مسائل سے مماثلت کی بناء پر اس طرح کا حکم لگایا کرتے تھے۔

تمرینی سوالات

(۱) قیاس کسے کہتے ہیں؟

(۲) قیاس کے ارکان کیا کیا ہیں؟

(۳) زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اس لئے نابالغ کے مال میں واجب نہیں ہوتی، جیسے نماز نابالغ پر واجب نہیں ہوتی، اس مثال میں مقیس علیہ، مقیس، حکم اور علت متعین کرو۔

(۴) قیاس کے حجت ہونے کی کیا کیا دلیلیں ہیں؟

شرائط قیاس

قیاس کے لئے آٹھ بنیادی شرطیں ہیں، ان میں تین کا تعلق اصل سے، دو کا تعلق فرع سے، تین کا تعلق علت سے ہے۔

اصل سے متعلق شرطیں

(۱) مقیس علیہ کا حکم اسی کے ساتھ خاص نہ ہو۔

اگر مقیس علیہ کا حکم اسی کے ساتھ خاص ہو تو اس پر دوسرے واقعہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا،

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۱۸۳۔

جیسے: تہجد کی نماز آپ ﷺ پر فرض تھی؛ لیکن قرآن نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے: ''نافلة لک''اس لئے کسی دوسرے شخص پر نمازِ تہجد فرض قرار نہیں دی جاسکتی —— اسی طرح قرآن نے شہادت کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر کیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ نے حضرت خزیمہؓ کی تنہا شہادت کو دو کے قائم مقام قرار دیا، یہ حکم ان کے ساتھ ہی خاص تھا؛ اس لئے اب کسی اور شخص کو خواہ وہ کس درجہ بھی متقی ہو، اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا کسی بھی ایک شخص کی گواہی دو کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

(۲) خود مقیس علیہ کا حکم خلافِ قیاس نہ ہو۔

اگر مقیس علیہ کے حکم میں عقل ورائے کا کوئی دخل نہ ہو تو اس پر کسی اور صورت کو قیاس کرنا صحیح نہیں، جیسے: نماز کی رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کے اموال ومقادیر، حدود، کفارات، یہ احکام تعبدی ہیں، جن میں قیاس کا دخل نہیں؛ اس لئے ان پر کسی اور مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) مقیس علیہ کا حکم زمانہ کے اعتبار سے مقیس سے پہلے آیا ہو۔

کسی امر کا جو حکم شریعت نے پہلے دیا ہو، اس کو بعد میں آنے والے حکم پر قیاس کرنا صحیح نہیں، مثلاً وضوء کا حکم پہلے کا ہے، تیمم کا بعد میں ہے، تیمم میں بالاتفاق نیت ضروری ہے، اب اگر وضو میں نیت کا وجوب تیمم پر قیاس کر کے ثابت کیا جائے تو صحیح نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جس کو مقیس علیہ بنایا جارہا ہے، وہ حکم نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے اور وضو کا حکم مقدم ہے۔

فرع سے متعلق شرطیں

(۱) خود مقیس کے متعلق کوئی نص یا اجماع موجود نہ ہو۔

(۲) اگر مقیس کے متعلق نص یا اجماع موجود ہو جو تقاضا کرتا ہو کہ یہاں حکم اس قیاس کے خلاف ہوگا، تو ایسی صورت میں دوسرے منصوص یا اجماعی حکم پر اس کو قیاس کرنا درست نہیں ہوگا، جیسے: قرآن نے کفارۂ قتل میں ایسے غلام کے آزاد کرنے کو کفارہ قرار دیا ہے جو مسلمان ہو، اسی طرح کفارہ یمین میں بھی قرآن نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، قیاس کا

تقاضہ ہے کہ اس کفارۂ قسم کو کفارۂ قتل پر قیاس کیا جائے اور ایک ''مسلمان غلام'' آزاد کرنے کا حکم دیا جائے؛ مگر چوں کہ خود کفارۂ قسم کا حکم بھی منصوص ہے اور اس میں مطلق غلام آزاد کرنے کا حکم ہے جو مؤمن وکافر دونوں کو شامل ہے؛ اس لئے یہاں قیاس سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

یا جیسے سفر میں روزہ کا ترک جائز ہے، لیکن نماز کا ترک جائز نہیں، اس پر اجماع ہے؛ لہٰذا سفر میں نماز کو روزہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کہ جس کو مقیس بنایا جاسکتا تھا، وہ خود ایک اجماعی حکم ہے۔

(۳) مقیس علیہ میں علت جس درجہ پائی جاتی ہو، مقیس میں بھی اس سے زیادہ یا کم سے کم اس درجہ پائی جاتی ہو، جیسے: بالغہ لڑکی کو اپنے نفس میں تصرف کا حق اسی طرح حاصل ہے جیسے اپنے مال میں، کہ تصرف فی النفس تصرف فی المال کے مساوی ہے، یا جیسے: قتل نفس میں قصاص واجب ہوا ہے، اسی طرح قطع عضو میں بھی قصاص واجب ہوگا؛ کیوں کہ تعدی کی جو علت قتل میں پائی جاتی ہے، وہی قطع عضو میں بھی پائی جاتی ہے۔

علت سے متعلق شرطیں

(۱) ایسا وصف ہو جو حکم کے مناسب ہو، یعنی اس سے کسی شرعی مصلحت کی تکمیل ہوتی ہو یا کسی مضرت سے تحفظ ہوتا ہو۔

جیسے: قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا، نشہ ایسا وصف ہے جو حرمت کے حکم کے مناسب ہے، محض اس کا سیال ہونا یا ترش ہونا ایسا وصف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے حرمت کا حکم لگایا جائے۔

(۲) وہ وصف ظاہر ومحسوس ہو۔

جیسے: معاملات کے منعقد ہونے کے لئے ایجاب وقبول علت ہے کہ یہ ایک محسوس وظاہر وصف ہے، فریقین کی قلبی رضامندی کو معاملات کے منعقد ہونے کی علت نہیں بنایا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ ایک مخفی بات ہے۔

(۳) وہ وصف منضبط اور متعین ہو، افراد واشخاص اور احوال کے لحاظ سے بدلتا نہ ہو، جیسے: نماز میں قصر کی علت ''سفر'' ہے؛ کیوں کہ سفر ایک متعین وصف ہے، اس کی علت مشقت کو قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ مشقت کا کوئی متعین محدود معنی نہیں، مختلف لوگوں کے لئے اور مختلف حالات کے اعتبار سے اس میں فرق واقع ہوتا رہتا ہے۔

مسالکِ علت

کسی منصوص حکم کی علت جن ذریعوں سے جانی جاتی ہے، ان کو ''مسالکِ علت'' کہا جاتا ہے، مسالکِ علت بنیادی طور پر تین ہیں: نص، اجماع اور اجتہاد۔

نص سے علت کا استنباط

● نص میں کبھی صراحتاً حکم کی علت بتادی جاتی ہے، جیسے آپ ﷺ نے بلی کے جھوٹے کے متعلق فرمایا:

إنها ليست بنجس ، إنها من الطوافين عليكم والطوافات-(۱)

یہاں بتادیا گیا کہ اس حکم میں تخفیف کی علت ''طواف'' ہے، اسی پر فقہاء نے چوہے وغیرہ حشرات الارض کو بھی قیاس کیا ہے۔

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا-(مائدہ:۳۸)

اس میں اگر چہ صراحت نہیں ہے کہ سرقہ کی وجہ سے قطعِ ید کا حکم ہے، مگر سارق اور سارقہ پر قطعِ ید کا حکم لگا کر اس کی طرف واضح اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اجماع سے علت کا استنباط

اس بات پر اجماع ہے کہ مال پر ولایت حاصل ہونے کی علت ''نابالغی'' ہے، بالغ کے

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی سور الہرۃ، حدیث نمبر: ۹۲۔

مال میں اس کا ولی بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتا، اس پر نکاح کو قیاس کیا جائے گا کہ بالغ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ولی نہیں کرسکتا اور بالغ لڑکی پر ولی کو اجباری ولایتِ نکاح باقی نہیں رہتی — اس طرح اس بات پر اجماع ہے کہ اگر شوہر نامرد ہو اور پہلے سے بیوی کو اس کی خبر نہ رہی ہو تو وہ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکتی ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے ان بیماریوں کی وجہ سے بھی عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہوگا، جو زوجین کی خوشگوار زندگی میں رکاوٹ ہوں، جیسے شوہر کا جنون، جذام، برص یا ایڈز میں مبتلا ہونا؛ کیوں کہ علت، معاشرت بالمعروف کا مفقود ہوتا ہے۔

اجتہاد کے ذریعہ علت کا استنباط

کبھی ''علت'' کی تعیین مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد سے کرتا ہے، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سونا، چاندی گیہوں، کھجور اور نمک میں سود کو حرام قرار دیا، اس میں احناف نے ''اتحادِ جنس'' اور ''اتحادِ قدر'' کو علت قرار دیا، بعض نے ''ثمنیت اور ''طعمیت'' کو اور بعض نے ''اقتیات'' اور ''ادّخار'' کو علت قرار دیا اور جن اموال میں یہ علت پائی جائے، ان میں سود کو حرام کہا، یہاں فقہاء نے اپنے اجتہاد سے ''علت'' متعین کی ہے — یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبضہ سے پہلے کسی شئے کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی علت یہ احتمال ہے کہ شاید بائع وہ شئے خریدار کو مہیا نہ کرسکے؛ کیوں کہ جو چیز قبضہ میں نہیں ہے، اس کا حاصل ہونا یقینی نہیں ہے، اسی علت کی بنا پر امام صاحب نے اموالِ منقولہ میں بیع کے لئے قبضہ کو ضروری قرار دیا، غیر منقولہ میں قبضہ ضروری قرار نہیں دیا؛ کیوں کہ غیر منقولہ اشیاء کے کھو جانے یا غصب کر لئے جانے کا عام طور پر اندیشہ نہیں ہوتا۔

تمرینی سوالات

(۱) قیاس کے لئے کل کتنی شرطیں ہیں؟

(۲) غلط کو صحیح کرو۔

مقیس علیہ سے متعلق پانچ، علت سے متعلق تیرہ اور مقیس سے متعلق دو شرطیں ہیں۔

(۳) مقیس علیہ سے متعلق کیا کیا شرطیں ہیں؟

(۴) کون سے احکام تعبدی ہیں کہ ان پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

(۵) مقیس سے متعلق کیا شرطیں ہیں؟

(۶) علت سے متعلق کیا کیا شرطیں ہیں؟ مثالوں سے واضح کیجئے۔

(۷) مسالک علت کن کو کہتے ہیں؟ اور وہ کیا کیا ہیں؟

(۸) اجماع سے علت حاصل کرنے کی مثال بتائیں۔

استحسان

استحسان کسی قوی تر دلیل کی بنا پر قیاس کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں، جس قوی تر دلیل کی بناء پر قیاس کو چھوڑا جاتا ہے، اس کے لحاظ سے استحسان کی چھ قسمیں ہیں: استحسان بالنص، استحسان بالاجماع، استحسان بالعرف، استحسان بالضرورۃ، استحسان بالمصلحت، استحسان بالقیاس الخفی۔

استحسان بالنص

استحسان بالنص وہ ہے جس میں نص کی بناء پر قیاس کو ترک کردیا جائے، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شئے معدوم کی فروخت سے منع فرمایا، اس کا تقاضہ ہے کہ بیع سلم جائز نہ ہو، یہی قیاس کا تقاضہ ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أسلف في ثمر فليسلف في كيل معلوم و وزن معلوم إلى أجل معلوم ـ[1]

اس لئے سلم کی صورت میں قیاس کو ترک کردیا گیا۔

---

(۱) مسلم، باب السلم، حدیث نمبر: ۱۶۰۴۔

یا قیاس کا تقاضہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جائے کہ نص میں مطلق اکل وشرب سے روزہ ٹوٹنے کا حکم ہے، مگر حدیث میں ہے :

إذا نسى فأكل و شرب فليتم صومه ، فإنما أطعمه الله وسقاه۔(۱)

اس لئے اس حدیث کی بنا پر قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

استحسان بالاجماع

قیاس کا تقاضہ ہے کہ سامان کی تیاری سے پہلے ہی کاریگر سے اس کی خریدی کا معاملہ طے کرنا جائز نہ ہو، جس کو ''استصناع'' کہتے ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معدوم شئے کی بیع سے منع فرمایا ہے، مگر اس صورت کے جائز ہونے پر اجماع ہے؛ اس لئے یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔

استحسان بالعرف

کبھی عرف وعادت کی بناء پر قیاسی حکم کو ترک کر دیا جاتا ہے، جیسے: اجارہ کے لئے نفع اُٹھانے کی مقدار کی تعیین ضروری ہوتی ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ حمام کا اجارہ درست نہ ہو کہ اس میں نہ پانی کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ وہاں ٹھہرنے کی مدت، مگر عرف کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید وفروخت میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے :

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرط ۔(۲)

اسی لئے کسی بھی ایسی شرط کے ساتھ بیع کو باعث فساد قرار دیا گیا ہے، جس میں بیچنے والے یا خریدنے والے کا فائدہ ہو؛ لیکن اگر کسی چیز کی خرید وفروخت میں کوئی خاص شرط معروف

(۱) بخاری، باب الصائم إذا أكل وشرب ناسیا، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۔

(۲) الطبرانی فی الأوسط، حدیث نمبر: ۴۳۶۱۱۔

ومروج ہوجائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، جیسے موجودہ دور میں جب کوئی مشین خریدی جاتی ہے تو بیچنے والے پر یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ مثلاً ایک سال تک اس کی اصلاح ومرمت کا ذمہ دار ہوگا، یہ صورت جائز اور استحسان بالعرف میں داخل ہے۔

استحسان بالضرورۃ

قیاس پر عمل کرنے میں حرج وتنگی پیدا ہوتی ہوتو یہاں بھی قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کو استحسان بالضرورۃ کہتے ہیں، جیسے: قیاس کا تقاضہ ہے کہ کنواں اس وقت تک پاک نہ ہو، جب تک ناپاک پانی اس سے نکالنے کے بعد کنویں کی دیواریں دھونہ دی جائیں، مگر اس میں شدید حرج تھا؛ اس لئے پانی کے نکال دینے کو کنویں کی دیوار کی پاکی کے لئے کافی قرار دیا گیا، اسی طرح عدت کی حالت میں عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں؛ لیکن اگر شوہر نے عدت کا نفقہ نہ چھوڑا ہو یا نہ دیا ہو اور عورت کے لئے نفقہ کی کوئی اور صورت نہ ہوتو کسب معاش کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے، یا حصہ ستر کو چھپانا واجب ہے؛ لیکن علاج کے لئے ضرورت کے بقدر ستر کھولنے کی اجازت دی گئی ہے۔

استحسان بالمصلحۃ

استحسان بالمصلحۃ یہ ہے کہ کسی مصلحت کی بناء پر قیاس کو ترک کر دیا جائے، جیسے: قیاس کا تقاضہ ہے کہ کاریگر سے چیز ضائع ہوجائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہو؛ کیوں کہ وہ امین ہے اور امین سے جو چیز بلا تعدی ضائع ہوجائے، وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا، مگر اندیشہ یہ ہے کہ اس طرح کی رعایت سے فائدہ اُٹھا کر فی زمانہ بد دیانت لوگ جری ہو جائیں گے اور لوگوں کے حقوق ضائع کرتے رہیں گے؛ اس لئے بہ تقاضائے مصلحت ایسے کاریگر کو ضائع شدہ سامان کا ضامن قرار دیا گیا — موجودہ دور میں الیکشن میں اُمیدوار بننے کی اجازت دی گئی ہے؛ حالاں کہ قیاس کا تقاضا تھا کہ یہ جائز نہ ہو؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہدہ طلب کرنے

سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی عہدہ طلب کرنے کی ایک صورت ہے؛ لیکن اگر موجودہ انتخابی نظام میں مسلمان الیکشن میں اُمیدوار نہ بنے تو قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی باقی نہ رہے گی اور اس کی وجہ سے سخت دینی وملی نقصان ہوگا، اس مصلحت کے پیش نظر خلافِ قیاس استحساناً اس کی اجازت دی گئی ہے۔

استحسان بالقیاس الخفی

استحسان بالقیاس الخفی یہ ہے کہ واضح قیاس کو نسبتاً کم واضح؛ لیکن قوی قیاس کی وجہ سے ترک کردیا جائے، جیسے: شیر، بھیڑئے وغیرہ درندہ چوپایوں کا جھوٹا ناپاک ہے، پس بہ ظاہر قیاس کا تقاضہ ہے کہ چیل، باز وغیرہ کا جھوٹا بھی ناپاک ہو کہ یہ بھی درندہ ہیں، مگر قیاس خفی یہ ہے کہ چوں کہ یہ چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ ہڈی کی ہے، ان پرندوں کا لعاب چوپایوں کی طرح پانی تک نہیں پہنچتا ہے، جو ناپاک ہے؛ اس لئے ان کا جھوٹا پاک ہونا چاہیے؛ چنانچہ اس قیاس خفی کو قبول کیا گیا، یا جیسے زمین پر مثلاً اگر کوئی پیشاب کردے اور زمین خشک ہوجائے تو پاک ہوجاتی ہے، ظاہری قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف زمین کے خشک ہونے سے پاکی حاصل نہ ہو، جب تک پانی سے نجاست دُھل نہ دی جائے؛ لیکن قیاس خفی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں آلودگی کو جذب کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے، اس لئے یہ نجاست کو تحلیل کردیتی ہے؛ لہٰذا زمین کے خشک ہونے پر پاک ہونے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

تمرینی سوالات

(۱) استحسان کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا کیا قسمیں ہیں؟

(۲) حمام میں اجارہ کا درست ہونا استحسان کی کس قسم میں داخل ہے؟

(۳) انسانی احترام کا تقاضہ ہے کہ اعضاء کی پیوندکاری جائز نہ ہو مگر فی زمانہ بہت سے علماء اس کے جواز کے قائل ہیں، یہ استحسان کی کس قسم میں داخل ہے؟

مصالحِ مرسلہ

ان مصلحتوں کو کہتے ہیں جو شریعت کے عمومی مزاج سے مطابقت رکھتی ہوں؛ لیکن متعین طور پر ان کے معتبر ہونے یا نا قابل اعتبار ہونے کا نص میں ذکر نہ ہو، جیسے: سکوں کا جاری کیا جانا، قید خانے، زمین کی خرید وفروخت کے معاملات کی رجسٹری کا نظام، ٹریفک کے اُصول وقواعد، دفاعی ٹیکسوں کا نفاذ، ٹول ٹیکس وغیرہ — ''مصالحِ مرسلہ'' مالکیہ کے یہاں مستقل دلیل شرعی ہے، حنفیہ کے نزدیک بھی ایسی مصلحتوں پر عمل کیا جائے گا؛ البتہ اس پر عمل کے لئے چار شرطیں ہیں :

(۱) وہ مصلحت معقول ہو، جس کو طبیعتِ سلیمہ قبول کرتی ہو۔

(۲) وہ مصلحت عملاً پائی جاتی ہو، محض موہوم نہ ہو۔

(۳) وہ مصلحت عام ہو، کسی خاص شخص کی مصلحت ملحوظ نہ ہو۔

(۴) شریعت میں نہ اس کے معتبر ہونے کا صراحتاً ذکر ہو اور نہ اس کو نامعتبر قرار دیا گیا ہو — مصالح مرسلہ کے مقابلہ بعض ایسی مصلحتیں ہیں جن کے معتبر ہونے کی قرآن وحدیث نے وضاحت کردی ہے، یہ ''مصالح معتبرہ'' کہلاتی ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے نکاح کی مصلحت بتلاتے ہوئے فرمایا :

فأنه أغض للبصر وأحسن للفرج ۔ (۱)

اسی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے مختلف حالتوں میں نکاح کا حکم متعین کیا ہے — اس طرح بعض مصالح وہ ہیں جن کے معتبر نہ ہونے کی کتاب وسنت میں صراحت کردی گئی ہے، جیسے شراب میں بعض فوائد بھی ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ''اثمهما أكبر من نفعهما'' (البقرۃ:۲۱۹) کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ ان مصالح کا اعتبار نہیں، ان کو ''مصالح ملغاۃ'' کہا جاتا ہے، ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۴۰۲۳۔

عرف

کسی فعل یا قول کی بابت عامۃ الناس کے طریقہ کو ''عرف'' کہتے ہیں۔

''عرف'' کو حکم شرعی کے متعین کرنے میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور بہت سے احکام عرف کی وجہ سے معتبر قرار دیئے جاتے ہیں۔

عرف کی قسمیں

عرف کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں :

(۱) عرفِ قولی۔ (۲) عرفِ فعلی۔

بیان وتعبیر میں عام لوگوں کے استعمال کو ''عرفِ قولی'' کہتے ہیں، جیسے: مچھلی پر ''لحم'' کا اطلاق کیا جانا یا نہ کیا جانا، یا جیسے لفظ حرام سے طلاق کا معنی مراد لینا، یا جیسے موجودہ دور میں طالب علم سے ان لوگوں کو مراد لیا جانا جو باضابطہ کسی درسگاہ میں زیر تعلیم ہوں — عملی اعتبار سے عام لوگوں کے طریقہ کو ''عرفِ فعلی'' کہتے ہیں، جیسے: کسی علاقہ میں مہر کی خاص مقدار معجلاً ادا کیا جانا، یا جیسے مشنریز کی خرید وفروخت میں ایک مدت کی گارنٹی۔

وسعت کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں: عرفِ عام، عرفِ خاص۔

مختلف علاقوں کے عام لوگوں کے عرف اور طریقہ کو ''عرفِ عام'' کہتے ہیں، جیسے: استصناع، یا بعض دو بڑے شہروں میں دکانات ومکانات کی پگڑی۔

کسی خاص علاقہ یا خاص پیشہ وطبقہ کے طریقہ کو ''عرفِ خاص'' کہتے ہیں، جیسے: اہل عراق کا عرف ہے کہ گھوڑے کو ''دابہ'' کہتے ہیں، یا حرمین شریفین میں آج کل یہ عرف ہے کہ سالن کی خریداری پر روٹیاں مفت دی جاتی ہیں، خواہ کھانے والا کتنی ہی روٹیاں کھالے۔

عرف کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے بھی عرف کی دو قسمیں ہیں :

(۱) عرفِ صحیح۔ (۲) عرفِ فاسد۔

عرفِ صحیح : لوگوں کا وہ طریقہ ہے جو نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو، جیسے: استصناع کے معاملات میں کچھ رقم کا پیشگی دینا، بعض عرب علاقوں میں عورت کا اس وقت رخصت ہو کر شوہر کے گھر جانا جب کہ اس کے مہر کا کچھ حصہ وصول ہو گیا ہو۔

عرفِ فاسد : لوگوں کا وہ طریقہ ہے جس سے کوئی حلال حرام یا حرام حلال قرار پاتا ہو، جیسے: بینک میں فکس ڈپازٹ کرنا، مردوں اور عورتوں کا عام جلسوں میں اختلاط وغیرہ۔

عرفِ صحیح کا اعتبار ہے اور عرفِ فاسد کا اعتبار نہیں۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں

عرف کے معتبر ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں :

(۱) عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی نص معطل نہ ہوتی ہو، جیسے: شراب نوشی، خواتین کے تنہا سفر کی ممانعت وغیرہ؛ کہ یہ عادتیں نصوص کے صریح مخالف ہیں؛ اس لئے عرف ورواج کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوں گی۔

(۲) عرف صراحت کے خلاف نہ ہو، جیسے: بعض اشیاء کی خریداری میں عرف ہے کہ سامان کے پہنچانے میں جو اخراجات ہوتے ہیں، وہ بائع اُٹھاتا ہے، اب اگر معاملہ کے وقت بائع نے اس کے خلاف صراحت کردی ہو تو یہ عرف معتبر نہ ہوگا اور بائع پر سامان پہنچانے کے اخراجات کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

(۳) عرف معاملہ کے وقت رہا ہو، جیسے: بعض چیزوں کی اقساط پر فروخت کا عرف ہے؛ لیکن ہوا یہ کہ جس وقت معاملہ طے پایا تھا، اس وقت یہ صورت مروّج نہیں تھی، بعد کو اقساط پر قیمت ادا کرنے کی صورت مروّج ہوئی تو اب اس معاملہ میں اقساط پر ادائیگی کا عرف معتبر نہ ہوگا۔

(۴) عرف جاری ہو، یعنی وہ عرف ختم نہ ہو گیا ہو؛ بلکہ ابھی باقی ہو۔

تمرینی سوالات

(۱) مصالحِ مرسلہ سے کون سی مصلحتیں مراد ہیں؟ ایسی مثال سے واضح کرو جو تمہارے زمانہ میں پائی جاتی ہو۔

(۲) مصالح مرسلہ کے معتبر ہونے کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں؟

(۳) عرف کسے کہتے ہیں؟

(۴) وسعت کے اعتبار سے عرف کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۵) عرف کے معتبر ہونے کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں؟

(۶) آج کل عام طور پر لوگ پھل نکلنے سے پہلے ہی پھل فرخت کر دیتے ہیں؛ حالاں کہ حدیث میں ایسی بیع سے منع کیا گیا ہے، تو اس عرف کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

سدذرائع

سدذرائع : ان جائز افعال کو منع کر دینا ہے جو شریعت کی منع کی ہوئی باتوں کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

سدذرائع کے چار درجات ہیں :

اوّل : یہ کہ وہ کام یقینی طور پر کسی مفسدہ کا ذریعہ بنے گا، جیسے: کسی کے دروازہ کے سامنے کنواں کھود دیا جائے۔

دوم : یہ کہ اس کام کے مفسدہ کا ذریعہ بننے کا ظن غالب ہو، جیسے شراب ساز سے انگور کا رس یا اہل حرب سے ہتھیار فروخت کرنا — یہ دونوں ذرائع بالکل ناجائز ہیں۔

سوم : یہ کہ اس کام سے مفسدہ کا پیدا ہونا موہوم ہو اور کبھی کبھی اتفاقاً اس سے مفسدہ پیدا ہو جاتا ہو، جیسے: کسی شخص کا مناسب جگہ پر کنواں کھودنا کہ اس میں کسی کا گر کر ڈوب جانا موہوم بات ہے، یہ ذریعہ جائز ہے۔

چہارم : یہ کہ اس سے بہ کثرت مفسدہ پیدا ہوتا ہو؛ حالاں کہ اصل میں وہ جائز ومشروع ہو، جیسے: نکاح حلالہ، مرضِ موت میں طلاق وغیرہ، حنفیہ کے نزدیک یہ صورت قصد وارادہ پر موقوف ہے، اگر فعل حرام کے لئے حیلہ اختیار کرنا مقصود ہو تو ناجائز ہوگا ورنہ نہیں، مالکیہ کے نزدیک اس درجہ کا ذریعہ بھی مطلقاً ناجائز ہے۔

سد ذریعہ ہی کی قبیل سے یہ ہے کہ بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں اور لڑکوں کا مخلوط تعلیمی نظام ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے، یا جیسے صاحبین کے اُصول کے مطابق سودی کاروبار کرنے والے بینکوں کو مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں، کہ یہ سودی کاروبار میں تعاون کا ذریعہ بنتا ہے۔

سد ذریعہ کی طرح اس کے مد مقابل دوسری اصطلاح ''فتح ذریعہ'' کی ہے، یعنی جو بات کسی فرض یا واجب کی ادائے گی کے لئے ضروری ہو، اس کا بھی وہی حکم ہوگا، جیسے: مسجد جانا، کہ یہ جماعت میں شرکت کے لئے ضروری ہے، جو بات کسی مباح کا ذریعہ بنتی ہو وہ بھی مباح ہوگا، جیسے ضروریاتِ زندگی کی مقدار سے زیادہ کمانا؛ کیوں کہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے راحت بخش زندگی گزارنا بھی جائز ہے۔

شرائع ماقبل

پہلی آسمانی کتابوں کے وہ احکام جو بحالت موجودہ ان کتابوں میں موجود ہیں اور قرآن وحدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے، ان کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ محرّف کتابیں ہیں؛ البتہ پہلی اُمتوں کے جو احکام کتاب وسنت میں مذکور ہیں، وہ تین طرح کے ہیں :

اول : وہ جن کے منسوخ ہونے کی صراحت موجود ہے، جیسے :

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۔ (انعام:۱۴۶)

یہ احکام اس اُمت میں قابل عمل نہیں ہیں۔

دوم : وہ جن کے اس اُمت کے لئے باقی رہنے کی صراحت کردی گئی ہے، جیسے :

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔(بقرۃ:۱۸۳)

یہ احکام اس اُمت میں بھی بالاتفاق باقی ہیں۔

سوم : وہ کہ جن کے نہ باقی رہنے کی صراحت کی گئی ہے، نہ منسوخ ہونے کی، جیسے :

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔(مائدۃ:۴۵)

ایسے احکام بھی جمہور کے نزدیک اس اُمت کے لئے باقی رہیں گے، جیسا کہ: ''هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ''(شعراء:۱۵۵) سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ناقابل تقسیم مشترک اشیاء کی ''مہایاۃ'' کے ذریعہ تقسیم کی جاسکتی ہے، جس سے مالکان باری باری فائدہ اُٹھائیں گے۔

تمرینی سوالات

(۱) سدِ ذرائع کسے کہتے ہیں؟

(۲) ذرائع کے کتنے درجات ہیں اور کس درجہ کا کیا حکم ہے؟

(۳) عورتوں کا چہرہ کھولنا فتنہ کا باعث بن سکتا ہے، آپ کے خیال میں یہ کس درجہ کا ذریعہ ہے اور اس پر کیا حکم مرتب ہونا چاہئے؟

(۴) فتح ذریعہ سے کیا مراد ہے اور فرائض وواجبات یا مباحات ومستحبات کے ذریعہ کا کیا حکم ہے؟

(۵) بائبل کے جن احکام کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو، ان کا کیا حکم ہے؟

(۶) ایسی مثال دیجئے کہ قرآن نے اقوامِ ماقبل کا کوئی حکم نقل کیا ہو اور اس کے باقی یا منسوخ ہونے کا ذکر نہ کیا ہو؟

قولِ صحابی

صحابی وہ ہے جس نے بہ حالتِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو، چوں کہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واقوال کو خود دیکھا ہے اور شریعت کے مزاج سے زیادہ آگاہ ہیں؛ اس لئے اقوالِ صحابہ کی خصوصی اہمیت ہے، یہ اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختلاف کے وقت اس رائے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو آپ کا اور آپ کے صحابہ کا رہا ہے: ''ما أنا علیه وأصحابی'' (۱) نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین''۔(۲)

اقوالِ صحابہ کی دو قسمیں ہیں :

اول : ایسے اقوال جن میں اجتہاد ورائے کو کوئی دخل نہ ہو، جیسے حضرت علیؓ کا ارشاد: ''لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع'' (۳) یا جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول کہ کوئی شخص حرم جاتے ہوئے حدود میقات سے احرام کے بغیر آگے نہ بڑھے۔(۴)

حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حدیث نبوی ہی کے حکم میں ہے؛ کیوں کہ ظن غالب یہی ہے کہ صحابہؓ کے یہ اقوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر مبنی ہوں گے، شوافع کے نزدیک یہ حجت نہیں ہیں۔

دوم : ایسے اقوال جن میں اجتہاد ورائے کی گنجائش ہے۔

اگر یہ اقوال کتاب وسنت کی کسی نص سے متعارض ہوں تو حجت نہیں، اگر صحابہؓ میں اس مسئلہ پر اختلاف رہا ہو تب بھی حجت نہیں، اگر نص سے متعارض بھی نہ ہو اور کسی صحابی سے اس کے خلاف

(۱) ترمذی، باب ماجاء فی افتراق ہذہ الامۃ، حدیث نمبر: ۲۶۴۱۔

(۲) ابن ماجہ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین الخ، حدیث نمبر: ۴۲۔

(۳) نصب الرایہ: ۲/ ۱۹۵، باب صلاۃ الجمعۃ۔

(۴) نصب الرایہ، فصل فی المواقیت: ۳/ ۱۳، عن ابن عباس أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: لاتجاوزوا الوقت إلا باحرام۔

منقول نہ ہو یا اس مسئلہ میں کسی اور صحابی کی واضح رائے ہی مروی نہ ہو، تو یہ اقوال بھی حنفیہ کے نزدیک حجت ہوں گے۔

استصحاب

تغیر کا کوئی سبب پیش نہ آنے کی وجہ سے سابقہ حکم کے برقرار رکھنے کو ''استصحاب'' کہتے ہیں، جیسے: کوئی شخص باوضو ہے اور اس کو وضو کے باقی رہنے میں شک ہوگیا تو وضو کے باقی رہنے کا حکم لگایا جائے گا، حنابلہ کے نزدیک یہ مستقل دلیل شرعی ہے۔

استصحاب کی بنیادی طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں :

(۱) اشیاء کا اصل حکم یعنی اباحت کو باقی رکھا جائے، جب تک کوئی دلیل ممانعت نہ آجائے؛ کیوں کہ ارشاد ہے: ''هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' (بقرۃ:۲۹) لہٰذا اشیاء میں اصل اباحت ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اسبابِ راحت کو استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اسراف کی حد میں داخل نہ ہو جائے، اسی طرح مختلف ڈیزائن کے لباس پہننا جائز ہے جب تک کہ وہ لباس بے ستری کا باعث نہ بنے یا وہ کافروں سے تشبہ کے دائرہ میں نہ آتا ہو۔

(۲) جن چیزوں میں کسی بات کا نہ پایا جانا اصل ہے، ان میں اس کے عدم کو باقی ماننا، جیسے: ذمہ کا بری ہونا اصل ہے نہ کہ ذمہ کا مشغول ہونا؛ اس لئے کسی دلیل کی عدم موجودگی میں انسان کو فارغ الذمہ مانا جائے گا؛ چنانچہ اگر ایک شخص دوسرے پر دَین کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص اس سے انکار کرتا ہو تو اس دوسرے شخص کے مدیون ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا، جب تک کہ اس پر دلیل پیش نہ کردی جائے؛ اس لئے کہ اصل ''براءتِ ذمہ'' ہے، یا جیسے کوئی بیوی شوہر کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس نے اس کا نفقہ ادا نہیں کیا ہے، تو جب تک عورت ثبوت پیش نہ کردے وہ شوہر بری سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ اصل بریٔ الذمہ ہونا ہے۔

(۳) کسی حکم کے ثبوت کے لئے شریعت نے جو سبب مقرر کیا ہے، اس سبب کے پائے جانے کے ثبوت کے بعد اس حکم کو اس وقت تک مشروط مانا جائے، جب تک کہ اس کے سبب کے

فوت ہوجانے پر کوئی دلیل نہ آجائے، جیسے: عقد نکاح سے زوجیت ثابت ہوگی، اب جب تک فرقت کا ثبوت نہ ہو، اس نکاح کو باقی ہی سمجھا جائے گا، یا جیسے کسی شخص نے کوئی شئ خریدی تو اس پر اس کی ملکیت قائم ہوگئی، اب اگر کوئی دوسرا شخص دعوی کرتا ہے کہ وہ شئ مذکورہ شخص کی ملکیت میں نہیں ہے، تو جب تک وہ اس کو ثابت نہ کردے وہ شئ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی۔

''استصحاب'' اس وقت معتبر ہے، جب کوئی اور دلیل موجود نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک ''استصحاب'' حقوق کے لئے دافع تو بنتا ہے، مُثبِت نہیں بنتا، جیسے: ایک مفقود الخبر شخص کو موت کی دلیل متحقق ہونے تک زندہ سمجھا جائے گا اور اس کے مال میں ورثہ کا حق ثابت نہیں ہوگا؛ البتہ مفقود کے مورث کی موت ہوجائے تو مورث کے متروکہ میں مفقود وراثت کا حقدار بھی نہیں ہوگا۔

تمرینی سوالات

(۱) صحابی کسے کہتے ہیں؟

(۲) اقوالِ صحابہ کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں اور ان کا حکم کیا ہے؟

(۳) استصحاب کی تعریف مع مثال ذکر کرو؟

(۴) استصحاب کب معتبر ہے؟

(۵) استصحاب حقوق کے لئے دافع ہے، مثبت نہیں، اس کو مثال سے سمجھاؤ؟

● ● ●

آسان اُصولِ فقہ

احکام شرعیہ

حکم : وہ ہے، جس سے انسان کے اعمال کا وہ وصف متعین ہو، جس کو شریعت نے بیان کیا ہے، مثلاً: کسی عمل کو واجب وفرض یا حرام ومکروہ قرار دینا۔

حکم کی دو قسمیں ہیں: حکم تکلیفی، حکم وضعی۔

حکم تکلیفی : وہ ہے جس میں کسی فعل کا مطالبہ یا ممانعت یا فعل وترک کا اختیار پایا جاتا ہو۔

حکم تکلیفی

حکمِ تکلیفی کی سات قسمیں ہیں :

فرض، واجب، مندوب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، مباح۔

● **فرض :** وہ ہے جس کا کرنا ضروری ہو اور وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو، جیسے: نماز میں قراءت۔

فرض پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، عمل پر ثواب اور ترک پر گناہ ہوتا ہے اور مناسب تاویل کے بغیر اس کا انکار کفر ہے۔

● **واجب :** وہ ہے جس کا کرنا ضروری ہو اور وہ دلیل ظنی سے ثابت ہو، جیسے: نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا حکم۔

● واجب پر عمل ضروری ہے، عمل پر ثواب اور ترک پر گناہ ہے؛ لیکن انکار کفر نہیں ہے۔

وہ تمام اعمال جن کا ضروری ہونا خبر واحد یا قیاس سے ثابت ہو، یا قرآن کی ایسی آیت سے ثابت ہو، جن میں ایک سے زیادہ معنی کی گنجائش ہے، واجب کہلاتے ہیں۔

فرائض وواجبات کی دو قسمیں ہیں: عینی، کفائی۔

● **عینی :** وہ فرائض وواجبات ہیں، جو اشخاص وافراد پر انفرادی حیثیت سے واجب ہوتے ہیں، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔

● **کفائی :** وہ فرائض وواجبات ہیں، جو اجتماعی حیثیت سے واجب ہوتے ہیں، اگر

کچھ لوگ ان کی تعمیل کرلیں تو دوسروں سے بھی ترکِ عمل کا بارِ گناہ اُتر جاتا ہے، جیسے: نمازِ جنازہ، دین کے تفصیلی علم کا حاصل کرنا، جہاد اور قضاء وغیرہ۔

فرائض و واجبات وقت کے اعتبار سے بھی دو قسم کے ہیں: مطلق اور مقید۔

● **مطلق** : وہ ہیں جن کے لئے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا ہے، جیسے: کفارات، ان کو کبھی بھی ادا کیا جائے، یہ ادا ہی کہلاتے ہیں۔

● **مقید** : وہ ہیں جن کے لئے شریعت نے وقت مقرر کیا ہے، ان کو ''فریضۂ موقتہ'' بھی کہتے ہیں، جیسے: نماز، روزۂ رمضان المبارک، ان کو وقت پر ادا نہیں کیا جائے تو یہ قضاء کہلاتے ہیں — ''حج'' کے لئے وقت مقرر ہے؛ لیکن چوں کے یہ عمر میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے کبھی بھی ادا کیا جائے، ''ادا'' ہی کہلائے گا۔

● **مندوب** : وہ ہے جس کا کیا جانا مطلوب ہو؛ لیکن نہ ضروری ہو اور نہ اس کے ترک پر مذمت کی گئی ہو۔

مندوب کی تین قسمیں ہیں: سنتِ مؤکدہ، سنتِ غیر مؤکدہ، مستحب۔

● **سنتِ مؤکدہ** : وہ ہے جس سے کسی واجب کی تکمیل ہوتی ہو، جیسے: اذان وجماعت، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی چھوڑا ہو، جیسے وضو میں ناک میں پانی ڈالنا، یا فرائض سے پہلے کی مؤکدات، اس کو ''سنتِ ہدیٰ'' بھی کہتے ہیں، سنت مؤکدہ کے تارک کی فہمائش کی جائے گی، سرزنش نہیں کی جائے گی؛ البتہ اس کا بار بار یا مسلسل ترک کرنا مکروہ اور باعثِ گناہ ہے۔

● **سنتِ غیر مؤکدہ** : وہ ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں فرمائی ہے، جیسے: بعض نمازوں میں طویل قراءت کرنا، ہر اچھے کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا وغیرہ، ان کے کرنے پر ثواب ہے، مگر نہ کرنے پر گناہ نہیں ہے۔

ان کو ''نفل'' اور ''مستحب'' بھی کہہ دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ فقہاء اسی صورت کو مندوب سے تعبیر کرتے ہیں۔

● **سنتِ زائدہ :** جن اُمور کو آپ ﷺ نے عادتاً کیا ہے، وہ سنن زائدہ ہیں، جیسے: آپ ﷺ کے کھانے پینے کا طریقہ، خواب واستراحت اور نشست و برخواست کے انداز، ان کو ''آداب'' کہتے ہیں، عام طور پر ان کو ''مستحب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر ان افعال میں آپ ﷺ کی اتباع کی نیت ہو تو ثواب ہے اور ان شاء اللہ اس پر عبادت کا اجر حاصل ہوگا، اگر نہ کیا جائے تو نہ باعث گناہ ہے اور نہ باعثِ گرفت؛ البتہ تربیت کے طور پر گرفت کی جاسکتی ہے۔

تمرینی سوالات

(۱) حکم کی تعریف کیجئے؟

(۲) حکم تکلیفی کی کیا کیا قسمیں ہیں؟

(۳) فرض وواجب کا کیا حکم ہے اور ان میں کیا فرق ہے؟

(۴) فرض وواجب کی ان اقسام کی مع مثال تعریف کیجئے؟
عینی، کفائی، مطلق، مؤقت۔

(۵) سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ میں کیا فرق ہے؟

(۶) سنن زائدہ کسے کہتے ہیں؟ ان کا دوسرا نام کیا ہے؟ اس پر ثواب ہے یا نہیں؟

● حرام وہ ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہو اور اس کا ممنوع ہونا یقینی دلیل سے ثابت ہو، جیسے: زنا، چوری، سود۔

اس کو ترک کرنا ضروری ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود اس سے بچنے پر ثواب ہے، اضطراری کیفیت کے بغیر اس کا ارتکاب باعثِ گناہ ہے اور مناسب تاویل کے بغیر انکار کفر ہے۔

حرام کی دو قسمیں ہیں: حرام لعینہٖ، حرام لغیرہٖ۔

حرام لعینہٖ : وہ ہے کہ خود اس کے اندر وہ وصف موجود ہو، جس کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے، جیسے: سود لینے کی حرمت، شراب کی حرمت۔

حرام لغیرہٖ : وہ ہے جس کی ممانعت کسی خارجی سبب کی بناء پر ہو، جیسے: بلا اجازت دوسرے کا مال لے لینے کی ممانعت، سود دینے کی حرمت؛ کیوں کہ مقروض کا اپنی طرف سے کچھ اضافہ کے ساتھ قرض کا واپس کرنا گناہ نہیں؛ بلکہ بہتر ہے، ممانعت اس سبب سے ہے کہ اس سے سودخواروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اگر سود دینے والے نہ ہوں تو سودخواروں کا کاروبار ہی نہ چلے۔

● **مکروہِ تحریمی** : وہ ہے جس کی ممانعت یقینی دلیل سے ثابت نہ ہو؛ بلکہ ظنی دلیل سے ثابت ہو، جیسے استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت رکھنا۔

مکروہِ تحریمی سے بچنا واجب ہے، بلا عذر اس کا مرتکب ہونا باعثِ گناہ ہے اور اس کے ممنوع ہونے کا انکار گمراہی تو ہے؛ لیکن کفر نہیں ہے، جیسے پائجامہ کا ٹخنوں سے نیچے تکبر کی وجہ سے لٹکانا۔

وہ تمام اعمال جن کی ممانعت خبر واحد یا قیاس سے ثابت ہو، یا قرآن کی ایسی آیت سے ثابت ہو، جس میں ایک سے زیادہ معنوں کی گنجائش ہے، ''مکروہِ تحریمی'' ہیں۔

اگر فقہ کی کتاب میں مطلقاً مکروہ لکھا جائے تو اکثر اس سے ''مکروہِ تحریمی'' ہی مراد ہوتا ہے۔

● **مکروہِ تنزیہی** : وہ ہے جس سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہو؛ لیکن اس کے ترک کو لازم نہ قرار دیا گیا ہو جیسے: کھڑے ہو کر پانی پینا یا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

اس سے بچنا مدح وثواب کا باعث ہے اور اس کا مرتکب ہونا ملامت اور عتاب کا نہ کہ گناہ کا۔

● بعض اوقات مکروہِ تنزیہی کو خلافِ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے؛ جب کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ خلافِ اولیٰ کا درجہ مکروہِ تنزیہی سے بھی کم ہے؛ کیوں کہ مکروہِ تنزیہی کا مرتکب ملامت اور عتاب کا مستحق ہے اور خلافِ اولیٰ کے ارتکاب پر ملامت اور عتاب کی بھی گنجائش نہیں۔

● **مباح :** مباح سے مراد وہ افعال ہیں جن کے کرنے اور نہ کرنے کا بندہ کو اختیار دیا گیا ہے، جیسے: کھانا، پینا، وغیرہ۔

اس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، نہ کسی پہلو میں ثواب ہے اور نہ ملامت یا گناہ؛ البتہ نیت کے اعتبار سے ثواب وعذاب مرتب ہوتا ہے، جیسے: کھانا اس لئے کھائیں کہ طاقت ہوگی تو عبادت کریں گے، تو اس پر ثواب ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی طاقت کو ظلم کے لئے استعمال کرنے کی نیت ہو تو گناہ ہوگا۔

جس کام کا مباح ہونا یقینی دلیل (قرآن، حدیث متواتر، اجماع) سے ثابت ہو، اس کا انکار کرنا باعثِ کفر ہے، جیسے: نکاح کے اور کھانے کے مباح ہونے کا انکار، اسی طرح جس عمل کے مباح ہونے کی قرآن وحدیث میں صراحت ہو، اس کے کسی ایک پہلو کو لازم اور دوسرے کو ممنوع قرار دینا درست نہیں، جیسے مرد کے لئے ایک سے زیادہ نکاح کرنا شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا کوئی مسلم یا غیر مسلم حکومت ایسا قانون نہیں بنا سکتی کہ مرد کو مطلقاً دوسرے نکاح سے اس بنیاد پر منع کر دیا جائے کہ یہ مباح ہے واجب نہیں۔

مباح کو ''جائز'' بھی کہا جاتا ہے؛ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ جائز مکروہ کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے اور مباح مکروہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، یعنی جو فعل مباح ہوگا، وہ بلا کراہت جائز ہوگا اور جائز کبھی مکروہ ہوگا اور کبھی مکروہ بھی ہوگا، جیسے: کھانا کھانا مباح ہے اور کھڑے ہو کر پانی پینا جائز۔

تمرینی سوالات

(۱) حرام کی تعریف کیجئے اور اس کا حکم بیان کیجئے۔

(۲) حرام لعینہٖ اور حرام لغیرہٖ میں کیا فرق ہے؟ بتایئے اور ایسی مثالوں سے واضح کیجئے، جو کتاب میں مذکور نہ ہوں۔

(۳) مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی کی تعریف اور حکم بتایئے اور دونوں کی کم سے کم دو دو مثالیں دیجئے۔

(۴) اگر مطلق مکروہ لکھا ہوتو مکروہ کی کونسی صورت مراد ہوگی؟

(۵) مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ایک ہی ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ جن لوگوں نے فرق کیا ہے، ان کے نزدیک دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

(۶) مباح کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

(۷) کیا مباح افعال پر ثواب وعذاب بھی ہوگا؟

(۸) مباح کا انکار کب باعثِ کفر ہے؟

(۹) مباح اور جائز میں کیا فرق ہے؟

حکم وضعی

حکم وضعی وہ ہے جس میں ایک شئے کا دوسرے شئے سے ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے تعلق ہو، حکم وضعی چار ہیں :

(۱) سبب۔ (۲) شرط۔

(۳) مانع۔ (۴) رخصت وعزیمت۔

● **سبب :** جس چیز کو شارع نے کسی دوسرے شئے کے وجود کے لئے علامت کا درجہ دیا ہو اور ان دونوں کا وجود وعدم ایک دوسرے سے مربوط ہو، اس کو ''سبب'' کہتے ہیں، جیسے وقت کو نماز کے لئے سبب قرار دیا گیا، جب وقت پایا جائے گا، تب نماز فرض ہوگی، گو جب تک وقت نہ ہوگا اس وقت تک نماز فرض نہ ہوگی، ماہ رمضان کی آمد کو روزہ کے واجب ہونے کے لئے سبب ٹھہرایا گیا، جب تک رمضان نہیں آئے گا روزہ فرض نہیں ہوگا، نماز کا وقت اور رمضان کا مہینہ یہ سبب ہے، نماز اور روزہ کا فرض ہونا مسبب ہے، جب تک سبب نہیں پایا جائے گا مسبب بندے سے متعلق نہیں ہوگا۔

● **شرط :** شرط سے مراد وہ عمل ہے جس کے پائے جانے پر دوسرے عمل کا درست ہونا اور پایا جانا موقوف ہو اور اگر شرط نہیں پائی جائے تو شرعاً وہ دوسرا عمل بھی وجود میں نہ آئے،

جس کو ''مشروط'' کہتے ہیں، جیسے نماز کے درست ہونے کے لئے وضوء شرط ہے، تو چاہے سبب متحقق ہو بھی جائے اور نماز کا وقت آجائے پھر بھی جب تک یہ شرط نہ پائی جائے نماز درست نہیں ہوگی۔

سبب اور شرط میں فرق یہ ہے کہ سبب کے وجود سے سبب لازم ہوجاتا ہے، جیسے نماز کا وقت آجانے کے بعد نماز فرض ہوجاتی ہے؛ لیکن شرط کے وجود سے شروط لازم نہیں ہوتی، مثلاً وضوء کی وجہ سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہوجاتا۔

● **مانع** : مانع وہ ہے جو سبب کے پائے جانے کے باوجود حکم کو نافذ نہ ہونے دے، جیسے کوئی شخص مرنے والے مسلمان کا ایسا قرابت دار ہو جو شرعاً وارث قرار پاتا ہو، جیسے بیٹا ہو یا باپ ہو؛ لیکن وہ مسلمان نہ ہو، تو وارث ہونے کا سبب 'قرابت' موجود ہے؛ لیکن اختلاف دین کی وجہ سے ایسے رشتہ دار کو ترکہ نہیں ملے گا؛ لہٰذا یہ اختلافِ دین اصطلاح میں مانع کہلائے گا۔

عزیمت و رخصت

مکلف کے حالات کے اعتبار سے حکم کی دو قسمیں ہیں: عزیمت اور رخصت۔

● اصل حکم کو جو عام حالات کے لئے ہو ''عزیمت'' کہتے ہیں، جیسے: رمضان میں روزہ رکھنا، ظہر، عصر اور عشاء چار رکعت ادا کرنا، فرض نمازوں میں قیام کا فرض ہونا۔

● رخصت : وہ حکم ہے جو کسی عذر یا عارضی بات پیش آنے کی وجہ سے دیا جائے، جیسے: مریض اور مسافر کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنے اور سفر کی حالت میں ظہر وعصر اور عشاء میں صرف دو رکعتوں پر اکتفاء کرنے وغیرہ کی اجازت۔

عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے؛ بشرطیکہ جان کا خوف نہ ہو، جیسے مریض و مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا، اگر جان جانے کا خوف ہو تو عزیمت پر عمل جائز نہیں، رخصت پر عمل واجب ہے؛ البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ جان کے خوف سے کلمۂ کفر کہنا جائز ہے، یہ حکم رخصت ہے، اس کے مقابلہ میں جان دے دینا اور کلمۂ کفر نہ کہنا عزیمت ہے اور یہاں عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ ہے؛ گو جان کے چلے جانے کا اندیشہ ہو۔

رخصت پر عمل کرنا جائز اور خلافِ اولیٰ ہے، اس سے بھی ایک صورت مستثنیٰ ہے اور وہ ہے سفر کی نماز میں قصر کرنا، اگرچہ یہ رخصت ہے؛ لیکن فقہاءِ احناف کے نزدیک بعض احادیث کی وجہ سے سفر میں چار رکعت والی نمازوں کو دو رکعت پڑھنا واجب ہے، چار رکعت پڑھنا درست نہیں۔

تمرینی سوالات

(۱) حکم وضعی کی تعریف کیجئے۔

(۲) وضعی احکام کیا کیا ہیں؟

(۳) سبب کی تعریف کریں اور سبب وشرط کے فرق پر روشنی ڈالیں۔

(۴) مانع کی تعریف کیجئے اور مثال سے سمجھایئے۔

(۵) عزیمت اور رخصت کی تعریف کیجئے اور مثالوں سے واضح کیجئے۔

(۶) عزیمت کا کیا حکم ہے اور اس کے عمومی حکم سے کونسی صورت مستثنیٰ ہے؟

(۷) رخصت کا کیا حکم ہے اور کونسی صورت اس کے عمومی حکم سے مستثنیٰ ہے؟

● ● ●

استنباط احکام کے طریقے

قرآن مجید ''عربی مبین'' میں نازل ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ اس کی تشریح فرمائی ہے؛ چوں کہ آپ ﷺ خود بھی نسلاً عرب تھے اور آپ ﷺ کی زبان عربی تھی؛ اس لئے آپ ﷺ کی حدیثیں بھی عربی ہی میں ہیں، پس قرآن وحدیث سے احکام کے اخذ واستنباط کے لئے ان قواعد کا علم ضروری ہے؛ جن کے ذریعہ عربی زبان میں متکلم کا مقصد جانا اور سمجھا جاتا ہے — ان قواعد کو اُصولیین نے ''لفظ'' کی پانچ بنیادی تقسیم کے ذریعہ واضح کیا ہے :

(۱) وضع کے اعتبار سے۔
(۲) اپنے معنی میں استعمال کے اعتبار سے۔
(۳) معنی کے ظہور ووضوح کے اعتبار سے۔
(۴) معنی میں خفاء وابہام کے اعتبار سے۔
(۵) معنی پر دلالت کے اعتبار سے۔

لفظ کس قسم کے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے؟— اس اعتبار سے اس کی چار قسمیں کی گئی ہیں: عام، خاص، مشترک، مؤوّل۔

خاص

خاص وہ ہے جو ایک یا ایسے کثیر پر دلالت کرے جو محدود ومحصور ہو، جیسے : رشید، انسان، ثلاثۃ، عشرۃ، وغیرہ، خاص اپنے معنی پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے، یعنی وہ بیان وتوضیح کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ کسی دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے، مثلاً کفارۂ قسم کے بارے میں ارشاد ہے: ''فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ''(مائدہ:۸۹) یہاں ''اطعام'' اور ''عشرۃ'' خاص ہیں اور ان کے معنی محتاجِ بیان نہیں ہیں۔

کتاب اللہ کے ''خاص'' میں خبر واحد کی وجہ سے کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے

رُکوع وسجود کا حکم دیا ہے، رکوع وسجود خاص ہیں، جن کی مراد واضح ہے، خبر واحد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اعتدال بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ ایک صحابیؓ نے بلا تعدیل ارکان نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا، یہ چوں کہ خبر واحد ہے؛ اس لئے رکوع وسجدہ کے ساتھ ''اعتدال'' کو رکن نماز نہیں قرار دیا جا سکتا؛ البتہ حدیث کی وجہ سے اس کو واجب قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح وضو میں ''غسلِ وجہ، غسلِ ایدی، مسحِ راس'' اور ''غسلِ رجل'' کا حکم دیا گیا ہے، یہ تمام الفاظ اپنے معنی کے لحاظ سے خاص ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افعال وضوء کے ارکان ہیں، مگر خبر واحد سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں نیت، تسمیہ اور پے بہ پے غسلِ اعضاء بھی ضروری ہے؛ لہٰذا ان افعال کو وضو کے ارکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس سے کتاب اللہ کے خاص پر اضافہ لازم آتا ہے؛ البتہ ان کو سنت ومستحب کا درجہ حاصل ہوگا۔

تمرینی سوالات

(۱) خاص کسے کہتے ہیں؟

(۲) خاص کا حکم کیا ہے؟

(۳) خبر واحد سے کتاب اللہ کے خاص پر زیادتی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) قرآن مجید سے کم از کم دس ایسے الفاظ نکالو جو خاص ہوں۔

چار اہم قسمیں

خاص کی چار اہم قسمیں ہیں :

(۱) مطلق۔ (۲) مقید۔

(۳) امر۔ (۴) نہی۔

● **مطلق** : وہ ہے جو اپنی حقیقت پر بلا کسی قید کے دلالت کرے، جیسے: کتاب، رجل، مسجد، وغیرہ۔

مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر قائم رہتا ہے؛ تا آں کہ کوئی اتنی ہی قوی دلیل اس میں کسی قید کے ملحوظ ہونے پر قائم ہو جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ''۔(بقرۃ:۱۸۵)

اس میں ''ایام'' مطلق ہے؛ لہٰذا رمضان کے بعد اتنے ہی ایام مسلسل اور غیر مسلسل دونوں طرح قضا کی جاسکتی ہے، تسلسل ضروری نہیں۔

کتاب اللہ کے مطلق پر خبر واحد کی وجہ سے کسی قید کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا — جیسے: قرآن مجید میں وضوء کے لئے چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے دُھلنے اور سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ کوئی اور قید نہیں ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں بسم اللہ بھی کہنا ضروری ہے اور آپ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء کی ترتیب یہی ہونی چاہئے کہ پہلے چہرہ دُھویا جائے، پھر ہاتھ، پھر سر کا مسح کیا جائے، پھر پاؤں دُھویا جائے، تو ان احادیث کی وجہ سے وضوء میں ان چیزوں کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ کتاب اللہ کے مطلق پر خبر واحد کی وجہ سے زیادتی ہوگی؛ البتہ ان کا شمار مستحبات میں ہوگا۔

● **مقید**: وہ لفظ ہے جس میں صفت، اضافت یا کسی اور طرح کی قید لگادی جائے، جیسے: رجل مؤمن، ولد الفقیر، وغیرہ۔

مقید کا حکم یہ ہے کہ اس پر مذکورہ قید کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا۔ (مجادلہ:۴)

اس آیت میں کفارۂ ظہار کے روزوں میں ''تتابع'' اور ''جماع سے پہلے'' ہونے کی قید لگادی گئی ہے؛ اس لئے جماع سے پہلے ان روزوں کو مسلسل رکھنا ضروری ہوگا۔

کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا؟

ایک ہی لفظ ایک نص میں مطلق اور دوسری نص میں قید کے ساتھ ذکر کیا جائے تو اگر

ان نصوص کا تعلق حکم کے سبب سے ہے تو حنفیہ کے نزدیک ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جائے گا، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''الجار أحق بسقبه''۔(۱)

دوسری روایت میں ہے :

الجار أحق بشفعة جاره ينتظر بها إن كان غائبا إذا كان طريقهما واحدا ۔ (۲)

یعنی ''جوار'' سببِ شفعہ ہے؛ بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو، پس ان دونوں نصوص کا تعلق سببِ حکم سے ہے، پہلی دلیل میں ''جوار'' مطلق ہے اور دوسری حدیث میں ''وحدتِ طریق'' کی قید بھی ہے، امامِ ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ جوار بجائے خود شفعہ کا سبب ہے اور شرکت فی الطریق ایک دوسرا سببِ شفعہ ہوگا۔

اور اگر مطلق ومقید دونوں نصوص کا تعلق ''حکم'' سے ہو تو چار حالتیں ہوگی :

(۱) حکم اور سبب دونوں ایک ہوں تو بالاتفاق مقید پر محمول ہوگا، جیسے :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ۔ (مائدہ:۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے :

لَآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ۔ (انعام:۱۴۵)

یہاں خون ہونا سبب ہے اور حرام ہونا حکم ہے؛ لیکن ایک آیت میں مطلق ''دم'' اور دوسری آیت میں ''دم مسفوح'' کا ذکر ہے؛ لہٰذا پہلی آیت میں بھی دم سے ''دم مسفوح'' ہی مراد ہوگا۔

---

(۱) ابن ماجہ، باب الشفعۃ بالجوار، حدیث نمبر:۲۴۹۵۔

(۲) ابن ماجہ، باب الشفع، بالجوار، حدیث نمبر:۲۴۹۴۔

(۲) حکم اور سبب دونوں مختلف ہوں تو بالاتفاق ایک دوسرے پر محمول نہ ہوگا، جیسے ارشاد ہے :

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ (مائدہ:۳۸)

دوسری جگہ فرمایا گیا :

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ (مائدہ:۶)

پہلی آیت میں سبب سرقہ ہے اور دوسری آیت میں وضو، پہلی آیت میں حکم ''قطعِ ید'' ہے اور دوسری آیت میں ''غسلِ ید''، پہلی آیت میں مطلق ''ید'' ہے اور دوسری آیت میں ''ید'' کے ساتھ ''اِلی المرافق'' کی قید بھی ہے؛ لہٰذا پہلی آیت میں مذکور مطلق ید کو اس قید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

(۳) حکم مختلف ہو اور سبب ایک ہو، تب بھی ایک کو دوسرے پر بالاتفاق محمول نہ کیا جائے گا، جیسے ارشاد ہے :

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ۔ (مائدہ:۶)

دوسری جگہ اشاد فرمایا گیا :

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ (مائدہ:۶)

یہاں سبب دونوں جگہ ''حصولِ طہارت'' ہے، حکم مختلف ہے، پہلی جگہ آیت میں ''مسحِ ید'' ہے اور دوسری آیت میں ''غسلِ ید''، پہلی آیت مطلق ہے اور دوسری آیت مقید؛ لہٰذا پہلی آیت میں مذکور ''مطلق ید'' کو دوسری آیت میں مقید ''اِلی المرافق'' پر محمول نہیں کیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ چوں کہ حدیث میں تیمم کی بابت ''اِلی المرافق'' کی قید ہے؛ اس لئے حنفیہ تیمم میں بھی اتنی ہی مقدار ہاتھوں کے مسح کے قائل ہیں۔

(۴) حکم ایک اور سبب الگ الگ ہوں، جیسے :

الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا۔(مجادلہ:۳۰)

یہ آیت کفارۂ ظہار سے متعلق ہے — کفارۂ قتل سے متعلق ارشاد ہے :

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ۔(نساء:۹۲)

پس حکم دونوں جگہ غلام آزاد کرنے کا ہے، سبب پہلی آیت میں کفارۂ ظہار اور دوسری آیت میں کفارۂ قتل ہے، پہلی آیت میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں مؤمن غلام کا ذکر ہے۔

اس صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا؛ لہٰذا کفارۂ ظہار میں کافر غلام کو آزاد کرنا بھی کافی ہو جائے گا، دوسرے فقہاء کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور کفارۂ قتل کی طرح کفارۂ ظہار میں بھی مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہوگا۔

تمرینی سوالات

(۱) مطلق کی تعریف کریں؟

(۲) مقید کی تعریف کریں؟

(۳) اگر سبب حکم کو ایک جگہ مطلق اور دوسری جگہ مقید ذکر کیا جائے تو دونوں کو ایک دوسرے پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟

(۴) اگر حکم ایک نص میں مطلق اور ایک میں مقید ذکر کیا جائے تو اس کی کتنی صورتیں ہوں گی اور کن صورتوں کا کیا حکم ہوگا؟

(۵) قرآن مجید سے مقید کی تین مثالیں دیجئے؟

امر

خاص کی تیسری قسم امر ہے، امر وہ لفظ ہے جس کے ذریعہ جزم کے ساتھ کسی چیز کا

مطالبہ کیا جائے، چاہے صیغۂ امر سے ہو، جیسے: ''اَقِيْمُوْا الدِّيْنَ''۔ (الشوریٰ:۱۳)
یا جملہ خبر کا ہو؛ لیکن مقصود مطالبہ ہو، جیسے :

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ (البقرۃ:۲۳۳)

''امر'' اصل میں وجوب کو بتلانے کے لئے آتا ہے؛ سوائے اس کے کہ کوئی قرینہ موجود ہو، جس کا تقاضا ہو کہ یہاں امر سے وجوب کا معنی مراد نہ لیا جائے؛ ایسی صورت میں اباحت یا استحباب کے معنی بھی ہوجاتے ہیں، جیسے: ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا'' (الاعراف:۳۱) کھانا پینا طبعی افعال ہیں، جن سے انسان مستغنی نہیں ہوسکتا، ایسی طبعی ضرورتوں کو واجب قرار دینا بے معنی ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں ''امر'' وجوب کے لئے نہیں ہے، اسی طرح ارشاد ہے: ''إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا'' (مائدہ:۲) احرام سے پہلے شکار محض مباح ہے نہ کہ واجب، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ احرام کھولنے کے بعد بھی شکار مباح ہی رہے گا نہ کہ واجب۔

امر اپنی اصل کے اعتبار سے تکرار کے ساتھ فعل کا مطالبہ نہیں کرتا، جیسے قرآن کا ارشاد ہے :

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ۔ (بقرۃ:۲۸۲)

یہاں دَین کو لکھنے کا امر ہے، اس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ایک ہی معاملہ کو بار بار زیر تحریر لایا جائے؛ البتہ ایسا ممکن ہے کہ امر کے ذریعہ جس فعل کا حکم دیا جائے، کسی اور سبب سے اس فعل میں تکرار پایا جائے، جیسے صلوٰۃ کو اوقاتِ صلوٰۃ میں تکرار پیش آنے اور صوم کو ''شہر رمضان'' میں تکرار پیش آنے کی وجہ سے بار بار ادا کیا جاتا ہے۔

تمرینی سوالات

(۱) امر کی تعریف کرو؟
(۲) کیا امر کے لئے امر کا صرفی صیغہ پایا جانا ضروری ہے؟
(۳) امر کس معنی پر دلالت کرتا ہے؟
(۴) امر کے ذریعہ جس بات کا حکم دیا جائے، کیا وہ اس میں تکرار کا تقاضا کرتا ہے؟

نہی

نہی : وہ لفظ خاص ہے جس میں کسی فعل سے جزم کے ساتھ روکا گیا ہو، چاہے صیغۂ نہی سے ہو، جیسے: ''لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ''(بقرہ:۱۸۸) یا لفظ نہی سے جیسے:''يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ''(نحل:۹۰) یا امر کے صیغہ میں کسی بات سے روکا گیا ہو، جیسے:''وَذَرُوا الْبَيْعَ''(الجمعۃ:۹) یا تحریم کا لفظ استعمال کیا گیا ہو، جیسے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ''(المائدۃ:۳) یا حلال ہونے کی نفی کی گئی ہو، جیسے:''وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا''۔(بقرہ:۲۲۹)

''نہی'' اصل میں منع کی ہوئی چیز کی حرمت کو بتلاتی ہے، سوائے اس کے کہ اس کے خلاف قرینہ پایا جائے؛ ایسی صورت میں نہی کراہیت یا ارشاد کے لئے بھی ہوتی ہے، جیسے: ''اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ'' (الجمعۃ:۹) یہاں نہی کراہت کے لئے ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ یہاں بیع کی ممانعت ایک خارجی شئے کی وجہ سے ہے نہ کہ خود بیع میں فساد کی وجہ سے، اسی طرح ارشاد ہے''لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ''(مائدہ:۱۰۱) یہاں سوال کی ممانعت بطورِ''ارشاد'' ہے، ارشاد سے مراد یہ ہے کہ اس کا مقصد کسی حکم شرعی کی تکمیل نہ ہو؛ بلکہ انسان کو دقت و پریشانی سے بچانا مقصود ہو اور از راہ شفقت منع کیا گیا ہو۔

منہی عنہ پر نہی کا اثر

''منہی عنہ'' پر نہیں کا کیا اثر پڑے گا؟— اس لحاظ سے نہی کی تین قسمیں ہیں :

اول : یہ کہ کسی فعل سے بذاتِ خود منع کیا گیا ہو، جیسے: مَحرم سے نکاح، مردار کی بیع، ایسے ممنوع افعال اگر کر لئے جائیں تو ان پر ان سے متعلق حکم شرعی مرتب نہ ہوگا؛ چنانچہ نکاحِ مَحرم کی صورت میں نسب ثابت نہ ہوگا اور بیع میتۃ کی صورت میں میتۃ اور ثمن پر ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

دوسرے : یہ کہ کسی فعل سے ایسے خارجی وصف کی وجہ سے منع کیا گیا ہو، جو اس کے لئے لازم نہیں ہے، جیسے مغصوبہ زمین میں نماز ادا کرنا، نماز جمعہ کی اذان کے وقت تجارت، ایسی صورتوں میں اگر ان افعال کو کر ہی لیا جائے تو ان کا اثر شرعی تو مرتب ہوگا؛ البتہ وہ گنہگار رہوگا؛ چنانچہ نماز درست ہو جائے گی اور بیع صحیح ہوگی، گو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔

تیسرے : یہ کہ کسی فعل سے ایسے خارجی وصف کی وجہ سے منع کیا گیا ہو، جو اس کی ذات سے خارج ہوتے ہوئے بھی اس کے لئے لازم ہو، جیسے: عید الفطر کے دن روزہ یا شرط فاسد کے ساتھ بیع، جمہور کے نزدیک ایسی صورت میں بھی ممنوعہ افعال کے ارتکاب کی صورت میں اس سے متعلق شرعی احکام مرتب نہ ہوں گے، حنفیہ کے نزدیک اس کا اثر مرتب ہوگا، روزہ ہو جائے گا اور شرط فاسد کے ساتھ بیع میں بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جائے گی۔

تمرینی سوالات

(۱) نہی کی تعریف کرو؟

(۲) نہی کس بات پر دلالت کرتا ہے؟

(۳) منہی عنہ پر نہی کے اثرات کے اعتبار سے نہی کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں؟

عام

عام : وہ لفظ ہے جو کثیر اور غیر محدود افراد کو بہ طور استغراق شامل ہونے کے لئے وضع کیا گیا ہو، جیسے: ''المومنون'' اگر ''عشرۃ مؤمنا'' یا ''مائۃ مؤمن'' کہا جائے تو یہ عام نہ ہوگا کہ عشرۃ اور مائۃ کے الفاظ گو کثیر پر دلالت کرتے ہیں، مگر وہ کثیر محدود و محصور ہے، اسی طرح ''مؤمنون'' بھی عام نہ ہوگا کہ اس میں استغراق وشمول کے معنی نہیں ہیں۔

عام کے الفاظ

عموم پر دلالت کرنے والے کچھ اہم الفاظ یہ ہیں :

(۱) کل، جمیع، کافۃ، جیسے: ''كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ''۔ (المدثر: ۲۸)

(۲) جمع معرّف باللام، جیسے: ''اَلْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ''۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

(۳) جمع معرّف بالاضافہ، جیسے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ (نساء: ۱۱)

(۴) مفرد معرّف باللام جیسے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (نور: ۲)

(۵) اسماء موصولہ، جیسے: محارم خواتین کے ذکر کے بعد:

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (نساء: ۲۴)

(۶) اسماء شرط، جیسے:

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ۔ (البقرۃ: ۲۷۲)

(۷) نکرہ بعد النفی، جیسے: ''لا وصية لوارث''۔(۱)

(۸) نکرہ موصوفہ، جیسے:

وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ۔ (البقرۃ: ۲۲۱)

عام کا حکم

حنفیہ کے نزدیک خاص ہی کی طرح عام بھی اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قطعی ہوتا ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہوتا؛ چنانچہ کتاب اللہ کے عام کی ''خبر واحد'' کے ذریعہ تخصیص درست نہیں، دوسرے فقہاء کے نزدیک عام کی اپنے معنی پر دلالت ظنی ہے؛ اس لئے خبر واحد سے تخصیص کی جاسکتی ہے، جیسے ارشاد ہے: ''وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ'' (انعام: ۱۲۱)

---

(۱) ابن ماجہ: ۲/ ۱۹۵، باب لا وصیۃ لوارث، ترمذی: ۲/ ۳۲۔

یہ آیت ان تمام جانوروں کی حرمت کے لئے عام ہے، جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کے مقابلہ میں یہ روایت ہے: ''**المسلم یکفیه اسمه**'' (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا ضروری نہیں، شوافع اس حدیث سے آیت کی تخصیص کرتے ہیں۔

ہاں اگر کتاب اللہ، حدیث مشہور یا حدیث متواتر کے ذریعہ عام کے بعض افراد کی تخصیص کر لی گئی ہے تو اب باقی پر اس کی دلالت ظنی رہ جاتی ہے؛ لہٰذا خبر واحد یا قیاس وغیرہ کے ذریعہ مزید افراد کی بھی تخصیص کی جاسکتی ہے؛ تا آں کہ تین افراد باقی رہ جائیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے حرام ماکولات کے ذکر کے بعد اس شخص کو خاص فرما دیا جو اضطرار کی حالت میں ہو کہ وہ بطور غذا کے بقدرِ ضرورت اِن محرّمات کو کھا سکتا ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے علاج کی صورت کو بھی مستثنیٰ کیا گیا کہ جان بچانے کے لئے تداوی بالحرام بھی جائز ہے۔

تخصیص کن ذرائع سے ہوگی؟

(۱) تخصیص کا ایک ذریعہ عقل ہے، عقل تقاضا کرتی ہے کہ ''کل شئ'' سے اللہ تعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہو کہ قادر مطلق ہونا مقدور ہونے کے منافی ہے۔

(۲) تخصیص کا دوسرا ذریعہ احساس و مشاہدہ ہے، جیسے ملکۂ سبا کے بارے میں فرمایا گیا: ''**وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ**'' (النمل: ۲۳) لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تھا، ملکۂ سبا کے پاس نہیں تھا۔

(۳) تخصیص کا تیسرا ذریعہ عرف ہے، جیسے ارشاد ہے: ''**وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ**'' (بقرہ: ۲۳۳) مگر اس سے شریف اور عالی حسب خواتین کو فقہاء نے خاص کیا کہ ان پر دودھ پلانا واجب نہیں؛ کیوں کہ نزولِ قرآن کے وقت یہی عرف تھا اور اس پر نکیر نہیں فرمائی گئی۔

---

(۱) دارقطنی، باب الصید والذبائح: ۴/۱۹۸۔

(۴) تخصیص کا چوتھا اور سب سے اہم سبب ''نص'' ہے، جیسے ارشاد ہے: ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ '' (البقرۃ:۲۲۸) لیکن حاملہ خواتین کی بابت فرمایا گیا: ''اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ''۔ (الطلاق:۴)
اس طرح دوسری آیت نے پہلی آیت کے عموم میں تخصیص پیدا کردی۔

عام کی تین قسمیں

اس طرح عام کی اپنی مراد کے سلسلہ میں تین قسمیں ہوجاتی ہیں :
اول : یہ کہ عام سے قطعی طور پر عام ہی مراد لیا جائے ، جیسے: ''اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ '' (الزمر:۶۲) ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ''۔ (ہود:۶)
عام طور پر یہ صورت ان نصوص میں ہوتی ہے، جن کا تعلق عقیدہ سے ہو۔
دوم : یقینی طور پر عام سے خصوصی معنی مراد ہو، عموم مقصود نہ ہو، جیسے: ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ''۔ (آل عمران:۹۷)
ظاہر ہے کہ نابالغ بچوں اور فاتر العقل لوگوں پر حج فرض نہیں، اس طرح یہ آیت اپنے عمومی مفہوم میں نہیں ہے۔
سوم : عام مطلق، جس میں تخصیص کے لئے کوئی واضح قرینہ نہ ہو اور نہ کوئی ایسا قرینہ ہو جو بتائے کہ اس کا عموم پر باقی رہنا ضروری ہے، اس میں اسی درجہ کی قوی دلیل کی بناء پر تخصیص عمل میں آسکتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے سونا اور چاندی جمع کرنے والوں کی مذمت فرمائی :

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (التوبہ:۳۴)

لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سونا چاندی کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو سونا یا چاندی جمع رکھنے میں کوئی حرج نہیں ؛ بلکہ سونے چاندی میں زکوٰۃ واجب قرار دیا جانا خود اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے ؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی ؛ جب کہ سونے چاندی کی ایک مقدار اس کے پاس جمع ہو۔

تمرینی سوالات

(۱) عام کی تعریف کرو؟
(۲) قرآن مجید سے عام کی دس مثالیں دیجئے؟
(۳) عام کا حکم اور اس میں فقہاء کا اختلاف بتاؤ؟
(۴) کن ذرائع سے عام میں تخصیص ہوتی ہے؟
(۵) معنی ومراد کے اعتبار سے عام کی تینوں قسمیں مع مثال ذکر کرو؟

مشترک ومؤول

مشترک وہ لفظ ہے جو دو یا اس سے زیادہ معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہو، جیسے: ''عین'' اس کے معنی آنکھ کے بھی ہیں اور پانی کے چشمہ کے بھی، یا ''من'' اس کے معنی بعض کے بھی ہیں اور ابتداء کے بھی۔

مشترک کا حکم یہ ہے کہ دوسرے قرائن کے ذریعہ اس کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی کی تعیین کی جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ (بقرہ:۲۲۸)

''قروء'' کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی؛ لیکن احناف نے حیض کا معنی مراد لیا ہے؛ کیوں کہ :

(۱) عدت کا مقصد فراغت رحم کو جاننا ہے اور یہ حیض ہی سے معلوم ہوتا ہے۔
(۲) حدیث میں باندی کی عدت دو حیض قرار دی گئی ہے۔
(۳) قرآن نے حیض سے مایوس عورتوں کی عدت تین ماہ مقرر کی ہے۔(نساء:۴)

تو معلوم ہوا کہ عدت میں اصل حیض ہے، یا جیسے وضوء کے حکم میں ''وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ''(المائدۃ:۶) اس میں 'ب' کے معنی بعض کے بھی ہوتے ہیں اور 'ب' بیان کے لئے بھی ہوتا ہے، نیز زائد بھی ہوتا ہے تو اگر 'ب' کو بعض کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ

سر کے کچھ حصہ کا مسح کرنا فرض ہے، ورنہ پورے سر کے مسح کے معنی ہوں گے، احناف نے یہاں باء کو بعض کے معنی میں لیا ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک موقع پر وضوء میں صرف چوتھائی سر کا مسح کرنا ثابت ہے۔

مشترک سے متعلق دوسرا حکم یہ ہے کہ بیک وقت لفظ مشترک کے متعدد اور مختلف معانی مراد نہیں لئے جاسکتے۔

مشترک کے مختلف معنوں میں سے جب کسی کو ترجیح دے دی جائے تو اسی کو ''مؤول'' کہتے ہیں۔

تمرینی سوالات

(۱) مشترک کی تعریف کرو؟

(۲) مشترک کب مؤول ہو جاتا ہے؟

(۳) مشترک کا حکم کیا ہے؟

(۴) قرآن مجید سے مشترک کی دو مثالیں بیان کرو؟

حقیقت ومجاز

لفظ کو اپنے معنی میں استعمال کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں :

(۱) حقیقت۔ (۲) مجاز۔

(۳) صریح۔ (۴) کنایہ۔

لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے، اس میں استعمال ہو، تو یہ ''حقیقت'' ہے۔

واضع کے اختلاف کے اعتبار سے حقیقت کی بھی چار قسمیں ہیں :

(۱) لغوی۔ (۲) شرعی۔

(۳) عرفی۔ (۴) اصطلاحی۔

اہل زبان کی وضع کے مطابق لفظ استعمال ہوتو ''حقیقت لغوی'' ہے، جیسے: ارض کے معنی زمین، سماء کے معنی آسمان۔

شریعت کی وضع کے مطابق استعمال ہوتو حقیقت شرعی ہے، جیسے: صلوٰۃ، صوم۔

عامۃ الناس کی وضع کے مطابق استعمال ہوتو ''حقیقت عرفی'' ہے، جیسے: ''دابہ'' چوپایہ کے لئے۔

کسی خاص فن یا مخصوص گروہ کی وضع کے مطابق استعمال ہوتو ''حقیقت اصطلاحی'' ہے، جیسے: فقہاء کے یہاں فرض ومندوب اور نحویوں کے یہاں کلمہ وکلام۔

حقیقت کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی لفظ سے اصلاً معنی حقیقی ہی مراد ہوگا، نہ اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوگی اور نہ متکلم کی نیت کی، اور اگر معنی حقیقی اور معنی مجازی میں تعارض ہوجائے تو معنی حقیقی ہی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

مجاز : وہ لفظ ہے جو اپنے وضعی معنی میں استعمال نہ ہو؛ بلکہ وہ کسی اور معنی میں استعمال ہو اور اس کے استعمال اور وضعی معنی کے درمیان ایک مناسبت پائی جاتی ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَوْلَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ''۔(مائدہ:۶)

ملامست کے حقیقی معنی ایک دوسرے کو چھونے کے ہیں؛ لیکن یہاں ''جماع'' مراد ہے اور اس استعمالی معنی اور حقیقی معنی کے درمیان مناسبت ظاہر ہے۔

معنی حقیقی چھوڑنے کے قرائن

معنی حقیقی کو چھوڑ کر دوسرا معنی اسی وقت مراد لیا جاسکتا ہے؛ جب کہ اس کے لئے کوئی قرینہ موجود ہو، یہ قرینہ مختلف قسموں کا ہوسکتا ہے :

(الف) نفس کلام، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ''۔(الاسراء:۲۴)

یہاں معنی حقیقی تو باز و پست کرنے کے ہیں، مگر ''ذل'' کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ معنی حقیقی مراد نہیں ہے؛ بلکہ تواضع وانکساری مراد ہے۔

(ب) کلام کا سیاق، جیسے ارشاد ہے: ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا'' (کہف:۲۹) یہاں معنی حقیقی تو بظاہر یہ ہوا کہ مخاطب کو ایمان و کفر کا اختیار دیا جارہا ہے، مگر آگے: ''اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا'' (کہف:۲۹) اس بات کا قرینہ ہے کہ اس سے تہدید مقصود ہے، نہ کہ کفر کو اختیار کرنے کی اجازت دینا۔

(ج) متکلم کی کیفیت، جیسے: بیوی شوہر کے گھر سے جانا چاہتی ہو اور شوہر کہے کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق، تو معنی حقیقی یہ ہے کہ وہ عورت کبھی بھی گھر سے نکلے، اس پر طلاق واقع ہوجائے؛ لیکن متکلم کی کیفیت بتارہی ہے کہ اسی وقت کے نکلنے پر طلاق دینا مقصود ہے — اسی کو ''یمین فور'' کہا جاتا ہے۔

(د) عرف و عادت، جیسے: ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا، تو معنی حقیقی تو یہ ہیں کہ پاؤں اس کے گھر میں نہیں رکھوں گا، مگر عرف میں اس سے مطلق داخل ہونے کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔

(ہ) محل کلام، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ''۔ (نساء:۲۳) معنی حقیقی ماں کا حرام ہونا ہے؛ مگر مراد ماں سے نکاح کا حرام ہونا ہے، یہ معنی مجازی ہے۔

یہ کچھ اہم قرائن ہیں جن کی بنا پر معنی حقیقی کی بجائے معنی مجازی مراد لیا جاتا ہے۔

حکم

جہاں معنی حقیقی مراد لینا ممکن نہ ہو یا متکلم خود کہتا ہو کہ اس نے معنی مجازی مراد لیا ہے یا کوئی قرینہ موجود ہو، جس سے معلوم ہو کہ متکلم کا مقصود معنی مجازی ہے، ان تمام صورتوں میں لفظ سے اس کا معنی مجازی مراد لیا جائے گا۔

ایک ہی لفظ سے بیک وقت حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد نہیں لئے جاسکتے، جیسے قمر کے معنی حقیقی چاند اور معنی مجازی خوبصورت آدمی کے ہیں، اب قمر سے بیک وقت ان دونوں معنوں کو مراد لینا درست نہ ہوگا؛ البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، جس کو ''عمومِ مجاز'' کہتے ہیں،

''عموم مجاز'' یہ ہے کہ لفظ سے معنی مجازی ہی مرادلیا جائے؛ مگر اس معنی مجازی میں اتنا عموم ہو کہ معنی حقیقی بھی اس میں داخل ہو جائے، جیسے کوئی شخص کہے کہ میں تمہارے گھر قدم نہیں رکھوں گا، اس کے معنی حقیقی بغیر چپل جوتے وغیرہ کے پاؤں رکھنا ہے اور عموم مجاز یہ ہے کہ مطلق داخل ہونا مرادلیا جائے، چاہے ننگے پاؤں داخل ہو یا چپل پہن کر۔

حقیقت کی قسمیں

چوں کہ معنی مجازی عام طور پر اسی وقت مرادلیا جاتا ہے، جب معنی حقیقی مراد نہ لیا جا سکے، اس لحاظ سے حقیقت کی تین قسمیں کی گئی ہیں :

● **حقیقت متعذرہ** : وہ ہے جس پر عمل کرنے میں شدید مشقت اور دشواری ہو، جیسے کوئی شخص آم کے درخت کی بابت کہے کہ میں یہ درخت نہیں کھاؤں گا تو درخت کا پھل کھانا مراد ہوگا نہ کہ خود درخت؛ کیوں کہ اس کے حقیقی معنی ''درخت کھانے'' پر عمل کرنا نہایت دشوار ہے۔

● **حقیقتِ مہجورہ** : وہ ہے کہ جس پر عمل ممکن ہو، مگر عادتاً یا شرعاً اس پر عمل متروک ہو، جیسے کہے کہ میں تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا، قدم رکھنے کے معنی حقیقی صرف پاؤں گھر میں رکھنا ہے اور جسم کا باقی حصہ گھر سے باہر رکھنا ہے، مگر عادتاً یہ معنی مراد نہیں لئے جاتے، یا جیسے کوئی شخص کسی کو اپنے خلاف مقدمہ میں وکیل بالخصومۃ بنائے تو ''وکالت بالخصومت'' کے معنی حقیقی تو فریق مخالف کی تردید کا وکیل بنانا ہے؛ لیکن شرعاً چوں کہ یہ جائز نہیں کہ فریق مخالف کی ہر درست و نادرست بات کی نفی کی جائے؛ اس لئے یہ مطلق جواب پر محمول ہوگا اور وکیل کے لئے انکار و اقرار دونوں کی گنجائش ہوگی۔

حقیقت کی ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق معنی مجازی مرادلیا جائے گا۔

● **حقیقتِ مستعملہ** : وہ ہے جس کا استعمال مروج ہو۔

پھر حقیقت مستعملہ کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا کوئی مجازی معنی مروج نہ ہو، ایسی صورت میں بالاتفاق معنی حقیقی پر عمل ہوگا، اکثر الفاظ اسی طرح کے ہیں، دوسرے وہ جس کا

مجازی معنیٰ حقیقی معنیٰ سے زیادہ مروج ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی معنیٰ حقیقی ہی پر عمل کیا جائے گا، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایسی صورت میں معنیٰ مجازی پر عمل کیا جائے گا، جیسے کوئی شخص قسم کھائے کہ میں گیہوں نہیں کھاؤں گا تو گو خود گیہوں کھانے کا معنیٰ بھی متروک نہیں، بھون کر گیہوں کھایا جاتا ہے، مگر گیہوں کے آٹے کا استعمال زیادہ مروج ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گیہوں کو اس کی اصل صورت میں کھانا مراد ہوگا اور اِسی صورت میں وہ شخص حانث ہوگا ورنہ نہیں، صاحبین کے نزدیک گیہوں سے بنی ہوئی روٹی وغیرہ کھالے تو بھی حانث ہوجائے گا۔

وضاحت و بیان کے اعتبار سے لفظ کی قسمیں

واضح ہونے کے اعتبار سے لفظ کی چار قسمیں ہیں :

(۱) ظاہر۔ (۲) نص۔

(۳) مفسر۔ (۴) محکم۔

● **ظاہر** : وہ لفظ ہے جس کی مراد خود اس لفظ سے سمجھ میں آجائے؛ البتہ اس سے ثابت ہونے والا حکم کلام کا مقصود نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‘‘ (بقرہ:۲۷۵) اس آیت کا مقصد تو تجارت اور سود میں فرق بیان کرنا ہے؛ البتہ اسی سے خرید وفروخت کا جائز ہونا اور سود کا ناجائز ہونا بھی معلوم ہوگیا، اس اعتبار سے یہ ظاہر ہے۔

ظاہر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس سے حدود و کفارات بھی ثابت ہوتے ہیں؛ البتہ اس میں تاویل اور نسخ کی گنجائش ہوتی ہے۔

● **نص** : وہ ہے جو ظاہر سے بھی زیادہ واضح ہو اور وہی کلام کا مقصود ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔(النساء:۳)

اس آیت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ چار ہی تک نکاح کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں، پس تعدادِ نکاح کے بیان کے اعتبار سے یہ 'نص' ہے۔

نص پر عمل کرنا واجب ہے؛ البتہ اس میں بھی تاویل اور نسخ کا احتمال باقی رہتا ہے، اگر ایک آیت کے ''نص'' اور دوسری آیت کے ''ظاہر'' میں بہ ظاہر ٹکراؤ ہو تو ''نص'' کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسے مذکورہ آیت کا ''نص'' یہ ہے کہ بیک وقت چار تک ہی بیویاں رکھی جاسکتی ہیں اور دوسری جگہ فرمایا گیا: ''أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ '' (النساء:۲۴) اس کا ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں ذکر کی گئی محرم عورتوں کے علاوہ سے نکاح جائز ہے، چاہے ان کی تعداد کتنی بھی ہو، اب پہلی آیت کے نص کو ترجیح دی جائے گی کہ چار سے زیادہ بیویاں ایک وقت میں نہیں رکھی جاسکتیں۔

تمرینی سوالات

(۱) حقیقت کس کو کہتے ہیں؟

(۲) مجاز کی تعریف کرو اور قرآن مجید سے کم سے کم اس کی تین مثالیں پیش کرو؟

(۳) جن قرائن کی وجہ سے معنیٔ حقیقی چھوڑ دیا جاتا ہے، ان کو مثالوں سے واضح کرو؟

(۴) عمومِ مجاز سے کیا مراد ہے؟

(۵) حقیقت متعذرہ اور مہجورہ کو مثالوں کے ذریعہ سمجھاؤ؟

(۶) حقیقت مستعملہ کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

● مفسر : وہ ہے جو اس قدر واضح ہو کہ تاویل و تخصیص کی گنجائش باقی نہ رہے، جیسے: ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ''۔ (النور:۲)
اس میں '' مأۃ '' بالکل واضح ہے اور تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا۔

مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس میں تاویل معتبر نہیں؛ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک اس میں نسخ کا امکان موجود تھا۔

اگر مفسر اور نص میں تعارض ہوجائے تو مفسر کو ترجیح دی جائے گی، جیسے ''تزوجت'' (میں نے نکاح کیا) کا لفظ نکاح صحیح کے لئے نص ہے، اب اگر کسی نے ''تزوجت'' کے ساتھ ''شہراً'' کہا تو ''شہراً'' اس نکاح کے نکاحِ متعہ ہونے پر ''مفسر'' ہوگیا؛ لہٰذا اب یہ نکاح باطل قرار پائے گا۔

● **محکم** : وہ ہے جو نہایت درجہ واضح ہو اور اس میں نسخ کا بھی کوئی احتمال نہیں ہو، جیسے:
''اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ''۔(التوبہ:۱۱۵)

سلسلۂ وحی بند ہوجانے کے بعد ''مفسر'' بھی اب محکم ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق آیات اور وہ احکام جن کے ابدی اور دوامی ہونے کی صراحت موجود ہے، محکم ہیں۔

محکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

مفسر و محکم میں تعارض ہو تو محکم کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ '' (الطلاق:۲) — یہ مفسر ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ''محدود فی القذف'' کی شہادت بھی توبہ کے بعد معتبر ہو؛ کیوں کہ توبہ سے انسان فسق کے دائرہ سے نکل آتا ہے؛ لیکن ایک اور آیت میں محدود فی القذف کے بارے میں ہے کہ: ''وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا '' (النور:۴) یہ محکم ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی بھی معتبر نہ ہوگی؛ چنانچہ اسی کو ترجیح ہے کہ ''محدود فی القذف'' کی گواہی معتبر نہیں۔

تمرینی سوالات

(۱)　ظاہر کی تعریف کرو اور قرآن مجید سے کم سے کم اس کی دو مثالیں بیان کرو؟
(۲)　نص کی تعریف کرو اور کم سے اس کی دو مثالیں قرآن مجید سے بیان کرو؟
(۳)　اس آیت میں نص کیا ہے اور ظاہر کیا ہے؟ ارکعوا مع الراکعین۔
(۴)　مفسر کی تعریف کرو اور کم سے کم دو مثالیں دو؟
(۵)　محکم کسے کہتے ہیں، مثالوں سے واضح کرو؟

خفاء وابہام کے لحاظ سے لفظ کی قسمیں

خفاء وابہام کے اعتبار سے بھی لفظ کی چار قسمیں ہیں، جو ان چاروں کے مقابل ہیں :

(۱) خفی۔ (۲) مشکل۔

(۳) مجمل۔ (۴) متشابہ۔

● **خفی** : وہ ہے جس کا لغوی معنی ظاہر ہو؛ لیکن بعض صورتوں پر اس کو منطبق کرنے میں شبہ ہو، جیسے :

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ (المائدہ:۳۸)

اس آیت میں سرقہ (چوری) کے معنی ظاہر وواضح ہیں؛ لیکن کیا جیب کترے اور کفن چور کو بھی ''سارق'' کہا جائے گا؟ — اس اعتبار سے سارق کی مراد خفی ہے — یا جیسے اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ'' (المائدۃ:۸۹) جس کے معنی مساکین کو پکا پکایا کھانا کھلانے کے ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پکا پکایا کھانا کھلانے کے بجائے کھانے کے بقدر سامان خرید کر کے دیدے، یا اس کے پیسے دیدے تو کیا یہ اطعام مساکین کے حکم کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو جائے گا؟ اس دوسرے پہلو کے اعتبار سے یہ آیت خفی ہے۔

خفی کا حکم یہ ہے کہ اس میں غور وتامل کیا جائے اور اس کے نتیجہ پر عمل کیا جائے، مثلاً: جیب کترے میں سرقہ کی کیفیت شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے؛ اس لئے اس کی سزا وہی ہوگی جو سارق کی ہے، کفن چور میں سرقہ کی کیفیت خفیف ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ کفن چور ''مالِ محفوظ'' نہیں لیتا ہے؛ اس لئے اس پر سرقہ کی سزا جاری نہیں ہوگی۔

● **مشکل** : وہ ہے جس کا معنی بذاتِ خود واضح نہ ہو، جیسے: ''قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا'' (الدہر:۱۶) کہ قارورہ شیشہ کا ہوتا ہے نہ کہ چاندی کا، پھر غور وفکر سے

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ قارورۂ جنت صفائی میں شیشہ اور سفیدی میں چاندی کی طرح ہوگا۔

مشکل کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا اور اس کی مراد جاننے کے لئے غور وفکر کرنا واجب ہے، اگر غور وفکر کے بعد مراد واضح ہوجائے تو پھر اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

● **مجمل** : وہ ہے جس میں اس درجہ ابہام ہو کہ خود شارع یا متکلم کی وضاحت کے بغیر دور نہ ہو سکے، جیسے: ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ''۔(مزمل:۲۰)

اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی کیفیت اور شرائط و احکام اس آیت سے معلوم نہیں ہوتے ؛ اس لئے یہ مجمل ہے، مجمل کی جب شارع یا متکلم کی طرف سے وضاحت کردی جاتی ہے تو وہ ''مفسر'' بن جاتا ہے ؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوں کہ اپنے اعمال کے ذریعہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی تفسیر کردی ہے؛ اس لئے اب یہ مجمل باقی نہیں رہے۔

مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا اور جب تک شارع کی طرف سے اس کی وضاحت نہ ہوجائے، اس کے بارے میں توقف کرنا اور شارع کی طرف سے تفسیر و وضاحت کے بعد اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

● **متشابہ** : وہ ہے جس کی مراد یقینی طور پر معلوم نہ ہو اور اب اس کا جاننا ممکن بھی نہ ہو۔

متشابہات دو قسم کے ہیں :

(۱) سورتوں کے شروع میں آنے والے حروفِ مقطعات۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفات جو کتاب وسنت میں بیان ہوئی ہیں اور ان کی ظاہری کیفیت مراد نہیں ہوسکتی، جیسے: ''یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ''(الفتح:۱۰)''فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا''۔(المومنون:۲۷)

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ ان کے حق ہونے کا ایمان رکھا جائے اور ان کی کیفیت اور حقیقی مراد کو علم الٰہی کے حوالہ کردیا جائے کہ مثلاً یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں ؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق، جس سے اللہ ہی واقف ہیں۔

تمرینی سوالات

(۱) خفی کی تعریف کرو اور کم سے کم ایک مثال دو؟
(۲) مشکل کی تعریف کرو اور کم سے کم دو مثالیں دو؟
(۳) خفی اور مشکل میں کیا فرق ہے؟
(۴) مجمل کی تعریف کرو اور کم سے کم قرآن سے تین مثالیں دو؟
(۵) مجمل کی وضاحت کون کرسکتا ہے؟
(۶) مجمل کا ابہام دور ہوجائے تو کیا کہلاتا ہے؟
(۷) مجمل کا کیا حکم ہے؟
(۸) متشابہ کی تعریف کرو اور قرآن وحدیث سے دو دو مثالیں دو؟
(۹) مجمل ومتشابہ میں کیا فرق ہے؟
(۱۰) متشابہ کا کیا حکم ہے؟

دلالت کی قسمیں

لفظ کی اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں :
(۱) عبارۃ النص۔ (۲) اشارۃ النص۔
(۳) دلالۃ النص۔ (۴) اقتضاء النص۔

● **عبارۃ النص** : لفظ جس معنی کو بتلانے کے لئے لایا گیا ہے، وہ ''عبارۃ النص'' ہے۔

● **اشارۃ النص** : جو معنی لفظ سے معلوم ہو؛ لیکن کلام اس کے لئے لایا نہ گیا ہو، وہ ''اشارۃ النص'' ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''**وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**''۔(البقرۃ:۲۳۳)

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دودھ پلانے کی اُجرت باپ پر واجب ہوگی؛ لیکن باپ کو

''مولودلہ'' کہہ کراس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ بچوں کا نسب باپ سے ثابت ہوگا نہ کہ ماں سے، پس باپ پر اُجرتِ رضاعت کا واجب ہونا اس آیت کا عبارۃ النص ہے اور بچوں کا باپ کی طرف منسوب ہونا اس آیت کا اشارۃ النص۔

● **دلالۃ النص** : وہ حکم ہے جو نص میں مذکور نہ ہو، مگر وہ اس سے بلا غور وفکر سمجھ میں آتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔(اسراء:۲۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کو اُف کہنے سے منع فرمایا ہے؛ لیکن والدین کو گالی دینے کا کوئی ذکر نہیں کیا، مگر ایک عامی شخص بھی اس آیت کو سنے تو وہ بھی کہے گا کہ والدین کو گالی دینا بھی ناجائز ہے، یہی اس آیت کا ''دلالۃ النص'' ہے۔

● **اقتضاء النص** : نص میں ایسی زیادتی کہ اس کے بغیر کلام درست نہ ہو سکے ''اقتضاء النص'' ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔ (المائدۃ:۳)

اس آیت میں میتۃ سے پہلے ''اکل'' کا لفظ مقدر ماننا پڑے گا، یعنی ان چیزوں کا کھانا تم پر حرام کیا گیا ہے۔

دلالت کی چاروں قسموں کا حکم

دلالت کی چاروں صورتوں سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور یہ قیاس پر مقدم ہیں ؛ البتہ تعارض کے وقت عبارۃ النص کو اشارۃ النص پر اور اشارۃ النص کو دلالۃ النص پر ترجیح دی جائے گی، مثلاً :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى۔(البقرۃ:۱۲۸)

اس آیت کا عبارۃ النص یہ ہوا کہ قتل عمد میں قصاص واجب ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ۔(النساء:۹۳)

اس آیت میں قتل مؤمن کی پوری سزا ''جہنم'' کوقرار دیا گیا ہے، اس کا اشارۃ النص یہ ہوا کہ قتل عمد کی صورت میں قصاص واجب نہ ہو، پس پہلی آیت کے عبارۃ النص کو اس آیت کے اشارۃ النص پر ترجیح دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا۔(النساء:۹۳)

اس آیت کا دلالۃ النص یہ ہے کہ قتل عمد پر بہ درجۂ اولیٰ کفارہ واجب ہونا چاہئے،

دوسری جگہ فرمایا گیا :

وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا۔(النساء:۹۳)

اس آیت کا اشارۃ النص ہے کہ قتل عمد میں کفارہ واجب نہ ہو؛ کیوں کہ قتل عمد کی سزا ''جہنم'' کو قرار دیا گیا ہے اور جہنم اسی صورت میں واجب ہوتی ہے کہ اس گناہ کا کفارہ ممکن نہ ہو، پس اس آیت کے اشارۃ النص کو پہلی آیت کے ''دلالۃ النص'' پر ترجیح دی جائے گی۔

مفہوم مخالف

نص میں جس صورت کے لئے جو حکم بیان کیا گیا ہو، اس صورت کے علاوہ میں اس کے مخالف حکم کو ثابت کرنے کا نام ''مفہوم مخالف'' ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰى یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (الطلاق:۶)

اس آیت میں مطلقہ عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت کا نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، پس جب مطلقہ عورت حاملہ نہ ہوتو اس کی عدت کا نفقہ واجب نہ قرار دیا جائے، یہ ''مفہوم مخالف'' ہے، حنفیہ کے نزدیک کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، دوسرے فقہاء کے یہاں معتبر ہے۔

تمرینی سوالات

(۱) عبارۃ النص اور اشارۃ النص کی تعریف کرو؟

(۲) بتاؤ کہ اس آیت کا عبارۃ النص کیا ہے اور اشارۃ النص کیا ہے؟

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔(النساء:۳)

(۳) دلالۃ النص اور اقتضاء النص کی تعریف کرو؟

(۴) دلالت اور اقتضاء دونوں کی ایک ایک مثال دو؟

(۵) دلالت کی چاروں قسموں کا کیا حکم ہوگا؟

(۶) ان میں تعارض ہوجائے تو کس کو کس پر ترجیح ہوگی؟ کتاب میں مذکور مثال کے علاوہ مثالوں سے سمجھاؤ؟

(۷) مفہومِ مخالف کی تعریف کرو؟

(۸) بتاؤ کہ اس آیت کا مفہوم مخالف کیا ہے؟

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔(النساء:۵۲)

• • •

آسان اُصولِ فقہ

احکامِ شریعت کے مقاصد و درجات

شرعی احکام کے بنیادی طور پر پانچ مقاصد ہیں :

● **حفظ دین :** عبادات، جہاد، دعوت الی اللہ، ارتداد کی سزا وغیرہ کا مقصود حفظ دین ہے۔

● **حفظ نفس :** یعنی جان اور عزت وآبرو کا تحفظ، تناول طعام کی اباحت، قتل نفس کی ممانعت، قصاص ودیت کا وجوب، قذف کی حرمت اور اس پر حد وغیرہ کے احکام حفظ نفس کے لئے ہیں۔

● **حفظ نسل :** نکاح کی مشروعیت، زنا کی حرمت اور اس کی حد، عدت وثبوتِ نسب کے احکام وغیرہ اسی مقصد کے لئے ہے۔

● **حفظ عقل :** مسکرات کی حرمت اور ان پر حد کا مقصد عقل کی حفاظت ہے۔

● **حفظ مال :** تجارت وکسبِ معاش وغیرہ کی اجازت، سرقہ وغصب کی ممانعت، مالی معاملات وغیرہ کے احکام ان سب کا منشا حفظ مال ہے۔

ان پانچوں مقاصد کے تحت آنے والے احکام کے تین درجات ہیں :

● **ضرورت :** جن کے بغیر ان مقاصدِ خمسہ کا حصول اور تحفظ ممکن نہ ہو، وہ ''ضرورت'' ہیں، جیسے جان بچانے کے بقدر کمانے کی اجازت۔

● **حاجت :** وہ احکام ہیں جن پر مقاصدِ خمسہ موقوف تو نہ ہوں؛ لیکن وہ نہ ہوں تو مشقت پیدا ہوجائے، جیسے : آسودہ ہو کر کھانا کہ زندگی اس پر موقوف نہیں؛ لیکن اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت ہوگی۔

● **تحسین :** جن احکام کا مقصد سہولت وآسانی پیدا کرنا ہو، جیسے: انواع واقسام کے لذت بخش کھانوں کی اجازت۔

● ضرورت کا درجہ سب سے اول ہے، پھر ''حاجت'' اور اس کے بعد ''تحسین'' کا درجہ ہے، اگر ضرورت اور حاجت میں سے ایک ہی پر عمل ممکن ہو تو ضرورت کو ترجیح حاصل ہوگی،

حاجت اور تحسین میں تعارض ہوتو حاجت کو ترجیح دی جائے گی ،مثلاً : دو شخص سفر میں ہوں ،ایک کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مقدار میں کھانا ہو اور دوسرے کو فاقہ کی وجہ سے جان جانے کا اندیشہ ہوتو ایسے بھوکے شخص کو اپنے ساتھی کے کھانے میں سے اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھالینا درست ہے؛ کیوں کہ اس بھوکے شخص کے لئے کھانا ''ضرورت'' ہے اور دوسرے شخص کے لئے حاجت ، جو بعد میں یہ بھوکا شخص اس کو ادا کرسکتا ہے ، اسی طرح نفل نماز ، مریض کی تیمار داری کے لئے ترک کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ مریض کے لئے تیمارداری کم سے کم ''حاجت'' ہے اور نفل و مستحب نماز دینی اعتبار سے ''تحسین'' کے درجہ میں ہے اور حاجت کو تحسین پر اولیت حاصل ہے۔

● البتہ اگر ایک ہی درجہ کے دو احکام میں تعارض ہوجائے تو ترجیح میں ترتیب اس طرح ہوگی : دین ، جان ، نسل ، عقل ، مال ، مثلاً جہاد دینی اعتبار سے ''ضرورت'' ہے اور جان کو موت کے قوی خطرہ سے بچانا ''حفظ جان'' کے لحاظ سے ضرورت ہے ، اب حفظ دین کو برتری حاصل ہے اور باوجود اندیشۂ موت کے جہاد فرض ہے ، ایک شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ زنا کرے ورنہ اس اس کا بہت سارا قیمتی مال غصب کرلیا جائے گا ، اب یہاں زنا سے بچنا ''حفظ نسل'' کے لحاظ سے ''ضرورت'' ہے اور مالِ کثیر کا بچانا حفظ مال کے اعتبار سے ''ضرورت'' ہے ، یہاں حفظ نسل کو ترجیح ہوگی اور زنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

تمرینی سوالات

(۱) شریعت کے مقاصدِ خمسہ کیا کیا ہیں؟

(۲) حفظ نفس سے کیا مراد ہے؟

(۳) احکامِ شریعت کے کیا کیا درجات ہیں؟

(۴) ضرورت ، حاجت اور تحسین میں تعارض ہوتو کس کو کس پر ترجیح ہوگی؟

(۵) شریعت کے مقاصدِ خمسہ میں اہمیت اور ترجیح کے اعتبار سے کیا ترتیب ہے؟

(۶) کتاب میں مذکورہ مثالوں کے بجائے دوسری مثالوں سے واضح کرو؟

● ● ●